فروری ۱۹۹۰ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ کی روشنی میں

مسلمانوں کے لئے سہ نکاتی لائحہ عمل

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک فکر انگیز خطاب

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی

تازہ، خالص اور توانائی سے بھرپور

پاک پیور®

مکھن اور دیسی گھی

یونائیٹڈ ڈیری فارمز (پرائیوٹ) لمیٹڈ

(قائم شدہ ۱۸۸۰) لاہور

۲۲- لیاقت علی پارک ۲- بیڈن روڈ- لاہور، پاکستان

فون: ۲۲۱۵۹۸ - ۳۱۲۷۵۶

SV ADVERTISING

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سُنا اور اطاعت کی

جلد: ۳۹
شمارہ: ۲
رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
فروری ۱۹۹۰ء
فی شمارہ ۵/-
سالانہ زرتعاون ۵۰/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

SUBSCRIPTION RATES OVERSEAS

U S A US $ 12/=
c/o Dr Khuraid A. Malik
SSQ 810 73rd street
Downers Grove I L 60516
Tel : 312 969 6755

c/o Mr. Rashid A. Lodhi
SSQ 14461 Maisano Drive
Sterling Hgts MI 48077
Tel : 313 977 8081

CANADA US $ 12/=
c/o Mr. Anwar H. Qureshi
SSQ 323 Rushoime Rd # 1809
Toronto Ont M6H 2 Z 2
Tel : 416 531 2902

UK & EUROPE US $ 9/=
c/o Mr. Zahur ul Hasan
18 Garfield Rd Enfield
Middlesex EN 34 RP
Tel : 01 805 8732

MID-EAST DR 25/=
c/o Mr. M. Ashraf Faruq
JKQ P.O. Box 27628
Abdu Dhabi
Tel : 479 192

INDIA US $ 6/=
c/o Mr. Hyder M. D. Ghauri
AKQI 4-1-444, 2nd Floor
Bank St Hyderabad 500 001
Tel : 42127

K S A SR 25/=
c/o Mr. M. Rashid Umar
P O. Box 251
Riyadh 11411
Tel : 476 8177

JEDDAH (only) SR 25/=
IFTIKHAR-UD-DIN
Manarah Market,
Hayy-ul-Aziziyah,
JEDDAH.
TEL: 6702180

D.D./Ch. To, Maktaba Markazi Anjuman Khudam ul Quran Lahore.
U B L Model Town Ferozpur Rd Lahore.

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت: ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ - فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱- داؤد منزل نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی۔ فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشرز: لطف الرحمٰن خان طابع، رشید احمد چودھری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال ———— ۵

عاکف سعید

مسلمانوں کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل ———— ۹

سورۃ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک فکر انگیز خطاب

سات دن ساتھ راتیں ———— ۷۳

تنظیمِ اسلامی کے زیر اہتمام منعقدہ نظریاتی ریفریشر کورس کی منفرد رپورٹ

اقتدار احمد

قارئین کرام

اگر آپ اپنا زرِ تعاون ارسال فرما چکے ہیں اور اس کا اندراج آپ کے نام و پتہ والے اُس لیبل پر نہیں جو لفافہ پر چسپاں ہے، تو آئندہ شمارے تک انتظار فرمائیے۔ اگر آئندہ بھی یہی صورت ہو تو ہمیں تحریر فرمائیں!

اگر زرِ تعاون ابھی آپ ادا نہیں کر پائے تو کم از کم پہلی فرصت میں ہمیں پرچہ جاری رکھنے کی ہدایت ضرور ارسال کر دیں۔ زرِ تعاون کی ادائیگی آپ اپنی سہولت سے ایک آدھ ماہ کی تاخیر سے بھی کر سکتے ہیں۔

اضافی ڈاک خرچ کی وجہ سے وی۔ پی۔ پی صرف آپ کی ہدایت پر ہی ارسال کی جائے گی۔

آپ کی توجہ اور تعاون ہمارے لیے آپ کی بہتر خدمت میں مدد دے گا۔ شکریہ

سرکولیشن مینجر

جملہ رفقاء و احباب مطلع رہیں کہ

ان شاء اللہ **تنظیم اسلامی پاکستان** کا ۱۵واں

سالانہ اجتماع

سوموار ۱۹ر مارچ تا جمعہ ۲۳ر مارچ ۹۰ء

قرآن آڈیٹوریم

اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور میں منعقد ہوگا

اجتماع کی باضابطہ کارروائی ۱۹ر مارچ کو بعد نماز عصر شروع ہوگی۔ لہٰذا رفقاء و احباب کوشش کریں کہ ۱۹ر کی سہ پہر تک لازماً اجتماع گاہ میں پہنچ جائیں۔ لاہور ریلوے سٹیشن پر ۱۹ر مارچ کو صبح ۹ بجے سے ۴ بجے شام تک استقبالیہ کیمپ قائم رہے گا۔ جملہ شرکاء موسم کے مطابق بستر کے علاوہ ایک ایک پلیٹ اور چائے کے لیے ایک ایک کپ یا مگ ضرور ساتھ لائیں۔

مزید برآں

سالانہ اجتماع سے متصلاً قبل جمعہ ۱۶ر مارچ تا ۱۹ر مارچ ۹۰ء

بیرونِ پاکستان کے رفقاء کے لیے ایک سہ روزہ تربیت گاہ،

تنظیم کے مرکزی دفتر واقع ۶۷، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور میں منعقد ہوگی۔ اس میں شرکت کے خواہاں رفقاء ۱۶ کی صبح گڑھی شاہو پہنچ جائیں یا نماز جمعہ مسجد دارالسلام، باغِ جناح، میں پڑھ لیں جہاں ساڑھے گیارہ بجے امیر تنظیم کا خطاب شروع ہو جاتا ہے۔

تنظیم کے بیرونِ پاکستان رفقاء کو اس موقع سے زیادہ سے زیادہ تعداد میں فائدہ اٹھانا چاہیے

المعلن: ڈاکٹر عبدالخالق، ناظمِ اعلیٰ، تنظیمِ اسلامی، پاکستان۔

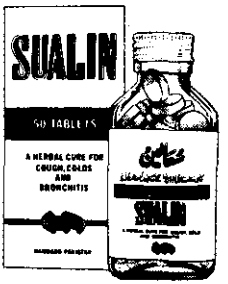

سُعالین

نزلہ، زکام اور کھانسی کا نہایت مؤثر علاج

پاکستان کی شفا بخش نباتات اور ان کے لطیف اجزاء
سے ہمدرد لیبوریٹریز میں تیار کردہ زود اثر سعالین

گزشتہ پچاس سال سے نزلہ، زکام اور کھانسی کی مؤثر دوا اور بچاؤ کی مفید تدبیر کے طور پر مشرق و مغرب
میں مستعمل ہے اور علاج شافی کے طور پر معروف و مقبول۔

سعالین اب نئے پیکنگ میں دستیاب ہے

اس نئے پیکنگ نے سعالین کی ہر ٹکیہ اور اس کے اڑ جانے والے لطیف جزو کو محفوظ کر دیا ہے۔

اخلاق عملاً مذہب ہے اور مذہب اصولاً اخلاق ہے۔

ADARTS-SUA-1/85

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

'میثاق' کا پچھلا شمارہ حسبِ اعلان زیرِ تالیف کتاب 'نقضِ غزل' کے ابتدائی چار ابواب پر مشتمل تھا۔ خیال یہ تھا کہ جماعتِ اسلامی کی تاریخ کی اس ناخوشگوار داستان کی تکمیل اس تازہ شمارے یعنی فروری ۱۹۹۰ء کی اشاعت میں ایک حد تک ہو جائے گی۔ لیکن 'وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ' کے مصداق اِس ارادے کی عملی تکمیل ابھی مشیّتِ الٰہی میں نہیں تھی۔ قارئین کے علم میں ہے کہ اِس بحث کا اکثر حصّہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ۱۹۶۶-۶۷ء میں مرتّب کر لیا تھا جو اُنہی ایّام میں ماہنامہ 'میثاق' میں بالاقساط شائع بھی ہو گیا تھا لیکن کچھ حصّے کی ترتیب و تسوید کا کام ابھی باقی تھا کہ اُس وقت کے مخصوص حالات کے پیشِ نظر بعض خیر خواہوں اور بزرگوں کے مشورے پر محترم ڈاکٹر صاحب نے قلم روک لیا تھا۔ بعد میں متعدد مواقع پر محترم ڈاکٹر صاحب نے تاریخ کے اِس قرض کو ادا کرنے کا ارادہ کیا لیکن بوجوہ ایسا کرنا ممکن نہ ہو سکا۔ (اِس معاملے کی تفصیلات محترم ڈاکٹر صاحب نے سپردِ قلم کر دی تھیں جو پچھلے شمارے میں 'تذکرہ و تبصرہ' کے زیرِ عنوان شائع کی جا چکی ہیں) اِس بار امیرِ تنظیمِ اسلامی کی صحت کی خرابی آڑے آئی۔ جنوری کے دوسرے ہفتے میں اُنہیں اپنی پشت پر بائیں بازو کی طرف تکلیف کا احساس ہوا۔ چند دن کے اندر اندر یہ تکلیف شدّت اختیار کر گئی۔ یہاں تک کہ اُٹھنا بیٹھنا محال ہو گیا۔ یہ غالباً دسمبر کے آخری ہفتے کے دوران منعقد ہونے والے نظریاتی ریفریشر کورس میں کی گئی کمر توڑ مشقت ہی کا نتیجہ تھا جو قدرے تاخیر سے ظاہر ہوا۔ احباب و رفقاء جانتے ہیں کہ اس پروگرام کے دوران امیرِ محترم کے روزانہ اوسطاً ساڑھے سات گھنٹے لیکچر دیتے اور خطاب کرتے گزرتے تھے۔ کمر کی تکلیف کی شکایت انہیں پہلے سے تھی۔ اندازہ یہ ہے کہ اُسی تکلیف نے بڑھ کر یہ شکل اختیار کی ہے۔ قریباً دو ہفتے امیرِ محترم صاحبِ فراش رہے۔ تاہم اس دوران بھی انہوں نے خطابِ جمعہ کا ناغہ نہیں ہونے دیا اور طبیعت پر جبر کرتے اور تکلیف کو جھیلتے ہوئے اس ذمہ داری کو نبھایا۔ بہرکیف 'نقضِ غزل' کا جو حصّہ انہیں ابھی مرتّب کرنا تھا وہ بدستور شرمندۂ تکمیل ہی رہا۔ امیرِ محترم کی طبیعت الحمد للہ کہ اب بہت بہتر ہے اور وہ آج

ہی صبح یعنی ۲۲ر جنوری کو' شام الہدیٰ' پروگرام میں شرکت کی غرض سے کراچی روانہ ہوئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اُنہیں صحتِ کاملہ عطا فرمائے' اور خدمتِ دین کے کام میں تادیر مصروفِ عمل رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) اُمیدِ واثق ہے کہ آئندہ شمارے میں مذکورہ بالا قرض ادا ہو جائے گا۔ وَمَا تَوْفِیْقُنَا اِلَّا بِاللّٰہِ

زیرِ نظر شمارے میں "مسلمانوں کے لیے سرِ نکاتی لائحہ عمل" کے عنوان سے امیرِ تنظیم اسلامی کے ایک فکر انگیز خطاب پر مبنی ایک زیرِ طبع کتابچہ شامل ہے۔ آج سے پانچ سال قبل امیرِ تنظیم نے کراچی میں سورۃ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ کی روشنی میں مذکورہ بالا موضوع پر مفصل خطاب ارشاد فرمایا تھا۔ جو اواخر ۱۹۸۵ء اور اوائل ۱۹۸۶ء میں چار اقساط کی شکل میں 'حکمتِ قرآن' میں چھپ بھی گیا تھا۔ ماہِ رواں کے دوران چونکہ امیرِ تنظیم نے مسجد دارالسلام میں اپنے خطباتِ جمعہ میں بالعموم انہی آیات کو بنیاد بنا کر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے موضوع پر تفصیلاً اظہارِ خیال فرمایا ہے اور بالخصوص 'نہی عن المنکر' کی اہمیت کو دیگر آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کی مدد سے واضح کیا اور علماءِ کرام کے لیے کرنے کا اہم ترین کام بھی اسی فریضۂ 'نہی عن المنکر' کو قرار دیا ہے۔ لہٰذا مناسب سمجھا گیا کہ 'حکمتِ قرآن' میں شائع شدہ خطاب کو مرتب کر کے جلد از جلد کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے تاکہ اس موضوع کے مختلف گوشے نکھر کر رفقاءِ احباب کے سامنے آجائیں۔ اِس کتابچے کو مکمل صورت میں اِس شمارے کی زینت بنایا گیا ہے۔

ماہِ جنوری کے دوران شائع شدہ ہفت روزہ 'ندا' کے ایک شمارے میں پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کا ایک انٹرویو شائع کیا گیا تھا جو فی الاصل آج سے قریباً ۸ ماہ قبل ایک غیر معروف جریدے 'انکشاف' میں شائع ہوا تھا۔ اس انٹرویو میں چونکہ تنظیم اسلامی' اس کے امیر اور ہفت روزہ 'ندا' کو بالخصوص ہدفِ تنقید بنایا گیا تھا۔ لہٰذا مدیرِ 'ندا' نے اِس خیال سے اُسے من وعن شائع کر دیا تھا کہ اس کا محاکمہ کیا جائے۔ (چنانچہ ۲۳ر جنوری کے 'ندا' سے انہوں نے اِس 'محاکمہ' کا باقاعدہ آغاز بھی کر دیا ہے) لیکن ہُوا یہ کہ معاصر نوائے وقت نے علامہ صاحب کے اس انٹرویو کی بنیاد پر ایک خبر بھی نمایاں انداز میں شائع کر دی جس میں علامہ صاحب کی ڈاکٹر صاحب پر تنقید

کو نمایاں کیا گیا تھا۔ اس انٹرویو میں چونکہ طاہر القادری صاحب نے ایک نہایت مغالطہ آمیز بات محترم ڈاکٹر صاحب کی طرف منسوب کی تھی کہ ڈاکٹر صاحب اور مولانا مودودی دونوں مسلکِ اہلِ سنت کو دل سے شرک سمجھتے ہیں، لہٰذا اس کی تردید ضروری خیال کی گئی۔ لیکن اِس کے باوجود کہ دو روز تک مسلسل تردیدی پریس ریلیز 'نوائے وقت' کو بھیجا جاتا رہا، وہ تردیدی بیان 'نوائے وقت' کے صفحات میں جگہ نہ پا سکا۔ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے!۔ تاہم تیسرے روز خصوصی رابطہ کو بروئے کار لاکر انتظامیہ پر زور دیا گیا تو بالآخر اس تردیدی بیان کا ایک 'خلاصہ' غیر نمایاں انداز میں 'نوائے وقت' میں شائع ہو گیا۔ صورتِ حال کی وضاحت کے طور پر ہماری جانب سے بھیجے جانے والے پریس ریلیز کی نقل ذیل میں پیشِ خدمت ہے۔

"امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے علامہ طاہر القادری صاحب کے اس بیان پر شدید احتجاج کرتے ہوئے اسے صریح بہتان قرار دیا ہے جس میں طاہر القادری صاحب نے ان پر اور مولانا مودودی مرحوم پر یہ الزام لگایا ہے کہ یہ دونوں اہل سنت والجماعت کے مسلک کو اپنے دل میں کفر سمجھتے اور اسے شرک قرار دیتے ہیں۔

مسجد دارالسلام میں ایک بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے دوٹوک الفاظ میں کہا کہ وہ اہل سنت والجماعت کے مسلک ہی کو حق سمجھتے ہیں اور مولانا مودودی مرحوم بھی اسی مسلک کو حق سمجھتے تھے۔ انہوں نے اس امر پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے انہیں اہل سنت والجماعت میں پیدا کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے واضح کیا کہ ہمارے چاروں عظیم ائمہ یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بن حنبل کا تعلق اسی مسلک اہل سنت سے تھا۔ انہوں نے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسلک اہل سنت والجماعت کے پیروکاروں کی ایک عظیم اکثریت میں بھی اعتقادی اور عملی گمراہیاں در آئی ہیں۔ علماء اور مصلحین کا کام یہ ہے کہ وہ ان گمراہیوں کے سدباب کے لیے عوام میں صحیح دینی شعور کو اجاگر کریں، غلط کاموں پر تنقید کریں اور اہل سنت والجماعت کے اصل مسلک کی تعلیم و ترویج کے لیے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔ علامہ طاہر القادری کے اس موقف پر تبصرہ کرتے ہوئے کہ مولانا مودودی اور ڈاکٹر اسرار احمد کی تحریکیں ناکام ہو چکی ہیں، ڈاکٹر

(باقی صفحہ ۸ پر)

اعلیٰ کوالٹی
اب مہنگی نہیں رہی
مالکو کی مصنوعات
کم قیمت ہونے کے باوجود
معیار میں فوقیت رکھتی ہیں

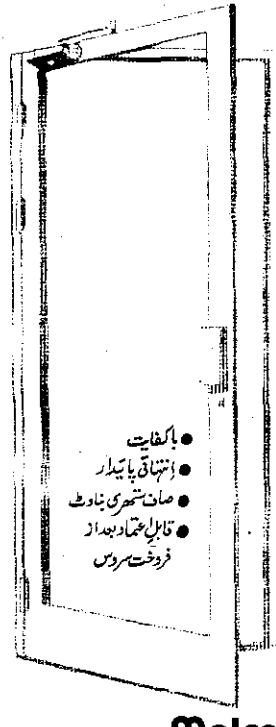

- باکفایت
- انتہائی پائیدار
- صاف ستھری بناوٹ
- قابلِ اعتماد بعد از فروخت سروس

Malco

ایلومینیم کے دَروازے، کھڑکیاں اور پارٹیشن

مالکو میں استعمال سیکشن، قبضے، رُولر اور دیگر مصنوعات دَرآمد شدہ ہیں جو اعلیٰ کوالٹی کی ضمانت ہیں۔

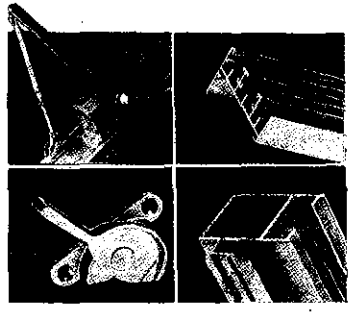

Malco

ماڈرن ایلومینیم کمپنی

۱۰۲، الآمنہ پلازہ، مقابل کیپری سینما
ایم۔ اے۔ جناح روڈ کراچی
فون: 2414024-710769

مسلمانوں کے لیے

۳ سہ نکاتی لائحہ عمل

سورۂ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ کی روشنی میں

تألیف

ڈاکٹر اسرار احمد

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

نام کتاب ——— مسلمانوں کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل
مؤلف ——— ڈاکٹر اسرار احمد
تعداد اشاعت (بار اوّل) ——— دس ہزار
تاریخ اشاعت ——— جنوری ۱۹۹۰ء
ناشر ——— لطف الرحمٰن خان، ناظم مکتبہ
مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور
مطبع ——— مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور
قیمت ——— اشاعتِ اعلیٰ (سفید کاغذ) -/۱۰ روپے
اشاعتِ عام (اخباری کاغذ) -/۶ روپے
مقامِ اشاعت ——— ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۴
کراچی آفس: نمبر ۱۱، داؤد منزل نزد آرام باغ
شاہراہ لیاقت کراچی۔ فون ۲۱۶۵۸۶

انتساب

امّتِ مسلمہ کے ان باہمّت

افراد

کے نام جو

قرآن حکیم

کو واقعۃً اپنا امام اور رہنما بنانے

کا فیصلہ کر لیں!

محبت مجھے اُن جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اوائل ۱۹۸۵ء میں امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے دورۂ کراچی کے دوران ایک اجتماعِ عام میں اُمّتِ مسلمہ کے لیے لائحہ عمل کے موضوع پر مفصل اظہارِ خیال فرمایا تھا محترم ڈاکٹر صاحب کا یہ فکر انگیز خطاب درحقیقت سورۃ آلِ عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ ہی کی توضیح و تشریح پر مشتمل تھا موضوع چونکہ بہت اہم تھا اور خطاب بھی نہایت مؤثر اور جامع، لہٰذا ہمارے بزرگ رفیق محترم شیخ جمیل الرحمٰن صاحب نے اسے بڑی محنت اور دلچسپی سے ٹیپ کی ریل سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کیا۔ پھر اسے قسط وار ماہنامہ 'حکمتِ قرآن' کے اواخر ۱۹۸۵ء کے دو شماروں یعنی نومبر اور دسمبر اور اوائل ۱۹۸۶ء کے دو شماروں یعنی جنوری اور مارچ میں کُل چار اقساط کی صورت میں شائع کر دیا گیا۔

مطالعۂ قرآنِ حکیم کے اس منتخب نصاب میں جسے بجا طور پر امیر تنظیم اسلامی کی تحریک رجوع الی القرآن کی بنیاد اور اساس قرار دیا جا سکتا ہے، ابتداءً سورۃ آلِ عمران کی مذکورہ بالا تین آیات کا درس شامل نہ تھا۔ لیکن بعد میں جب 'الہدیٰ' کے زیرِ عنوان 'منتخب نصاب' کے چند ابتدائی اسباق روزنامہ 'جنگ' میں بالاقساط شائع ہوئے تو اس درس کو بھی منتخب نصاب کے حصۂ اوّل یعنی جامع اسباق میں شامل کر لیا گیا۔ چنانچہ اس ضمن میں 'حکمتِ قرآن' میں شائع شدہ اسی خطاب کو بنیاد بنایا گیا جو ۸۶-۱۹۸۵ء میں بالاقساط شائع ہوا تھا۔ خوش قسمتی سے اس موقع پر 'جنگ' میں اشاعت سے قبل اس خطاب پر محترم ڈاکٹر صاحب نے نظرِ ثانی فرما کر مناسب اصلاح و ترمیم بھی کر دی تھی۔ اور اس طرح تحریر کو مضمون کی شکل میں ڈھالنے کے عمل میں جو کمی بیشی رہ جاتی ہے اس کے حتی الامکان ازالے کا سامان بھی ہو گیا۔ روزنامہ 'جنگ' میں اس درس کی اشاعت پانچ اقساط میں مکمل ہو سکی تھی۔ صفحاتِ آئندہ میں اللہ کی تائید و توفیق سے انہی پانچ اقساط کو ترتیب دے کر یکجا شائع کیا جا رہا ہے۔ فللہ الحمد والمنۃ

خاکسار لطف الرحمٰن خان ناظمِ مکتبہ
۱۸ جنوری ۱۹۹۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مطالعہ قرآن حکیم کے جس منتخب نصاب کی سلسلہ وار تشریح ان کالموں میں جاری ہے، اس کا حصہ اوّل چند نہایت جامع اسباق پر مشتمل ہے جن میں انسان کی نجات اور فوز و فلاح کے جملہ لوازم کو نہایت جامعیت کے ساتھ یکجا بیان کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اسی جامعیت کبریٰ کی حامل ہے سورۃ العصر، پھر یہی شان ہے آیۂ بِرّ[1] کی اور اسی جامعیت کا مظہر اتم ہے سورۃ لقمان کا دوسرا رکوع ——— قرآن حکیم کا ایک ایسا ہی جامع مقام سورۃ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ پر مشتمل ہے جو اپنی جامعیت کے اعتبار سے بھی سورۃ العصر کی شان کا حامل ہے اور حسن اتفاق سے جس طرح سورۃ العصر تین آیات پر مشتمل ہے اسی طرح یہاں بھی تین ہی آیات میں ایک مکمل لائحہ عمل بیان کر دیا گیا ہے صرف اس فرق کے ساتھ کہ سورۃ العصر میں بات ایک قاعدہ کلیہ اور حقیقتِ عمومی (UNIVERSAL TRUTH) کے انداز میں بیان ہوتی ہے اور سورۃ آل عمران کے اس مقام پر خطاب براہِ راست اُمّتِ مسلمہ سے ہے، تو آیئے کہ پہلے ان آیات کی تلاوت کر لیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۚ وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

---

[1] البقرہ: ۱۷۷ "لَيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ .... الآیہ"

اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اُس کے تقویٰ کا حق ہے اور دیکھنا تمہیں ہرگز موت نہ آنے پائے مگر اس حال میں کہ تم (اللہ کے) فرمانبردار ہو۔ اور چمٹ جاؤ اللہ کی رسّی کے ساتھ مجموعی طور پر اور باہم تفرقہ میں مت پڑو۔ اور یاد کرو اللہ کی اُس نعمت کو جو تم پر ہوئی۔ جبکہ تم باہم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے۔ اور تم تو آگ کے گڑھے کے بالکل کنارے تک جا پہنچے تھے لیکن اللہ نے تمہیں اس سے بچایا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیات کی وضاحت کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاسکو! اور چاہیے کہ تم سے ایک ایسی جماعت وجود میں آئے جو خیر کی دعوت دے، نیکی کا حکم دے اور بدی سے روکے ——— اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

یہ آیاتِ مبارکہ اس سورت کے قریباً وسط میں واقع ہوئی ہیں۔ اس لیے کہ سورۃ آل عمران دو سو آیات پر مشتمل ہے اور ان آیات کا نمبر ہے ۱۰۲، ۱۰۳، اور ۱۰۴۔ گویا قریباً وسط ہے میرے نزدیک ان آیات میں ہم مسلمانوں کے لیے ایک لائحہ عمل ہے، اگرچہ قرآن مجید کی ہر آیت میں علمی نکات بھی ہیں، حکمت و فلسفہ کے مسائل بھی ہیں اور عملی رہنمائی بھی ہے۔ چنانچہ ان میں بھی یقیناً علمی اعتبار سے بڑے وقیع نکات ہیں، لیکن آج میری گفتگو ان کے عملی پہلوؤں کے بیان تک محدود رہے گی۔ اس لیے کہ علمی نکات پر توجہ کا ارتکاز زیادہ ہو جاتے تو اکثر و بیشتر عملی رہنمائی کی طرف توجہ نہیں ہوتی، لہٰذا آج میری کوشش یہ ہوگی کہ ان آیاتِ مبارکہ کے مطالعہ سے جو عملی لائحہ عمل ہمارے سامنے آتا ہے اُسے میں آپ کے سامنے رکھوں۔

جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے قرآن مجید کی یہ تین آیات اس عملی رہنمائی اور ہدایت کے اعتبار سے جو وہ اہلِ ایمان کے سامنے رکھتا ہے قرآن حکیم کے جامع ترین مقامات میں سے ہیں۔ امّتِ مسلمہ کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے ایک مسلمان کے کیا فرائض ہیں اور اس پر کیا ذمّہ داریاں عائد ہوتی ہیں! اسے سب سے پہلے کن امور پر اپنی توجہات کو مرتکز کرنا ہوگا! ان کو بڑی جامعیت کے ساتھ پہلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ دوسری آیت کا موضوع یہ ہے کہ اُن افراد کو باہم جوڑنے والی چیز، انہیں ایک امّت بنانے والی شے، انہیں "حزب اللہ" بنانے

والی چیز، ان کے مابین ذہنی و فکری ہم آہنگی اور عملی اتحاد پیدا کرنے والی چیز کون سی ہے!! ——
اور تیسری آیت میں یہ نشاندہی فرمائی گئی کہ اس امت یا حزب اللہ یا اس جماعت کا مقصد کیا ہے!!!
کس کام کے لیے اس کو محنت اور جدوجہد کرنی ہے!

اب آپ خود غور کر سکتے ہیں کہ ان تین آیات کے مابین بڑا منطقی ربط ہے۔ اس لیے کہ بڑی سے بڑی اجتماعیت بھی افراد ہی پر مشتمل ہوتی ہے۔ اقبال نے خوب کہا ہے کہ ؎

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

افراد کا رُخ درست نہ ہو تو اجتماعیت کا رُخ کیسے درست ہو جائے گا! اگر افراد وہ لائحہ عمل اختیار نہ کریں جو اُن کو دیا گیا ہے تو اجتماعی زندگی کے لیے جو صحیح لائحہ عمل ہے، اُسے کیسے اختیار کیا جا سکتا ہے! لہٰذا ترتیب یہی ہے کہ سب سے پہلے ہر فرد اپنے طور پر سوچے کہ مجھے کیا کرنا ہے! مجھ سے تقاضا کیا ہے! مجھ سے مطالبہ کیا ہے! میں اس بات کو سمجھانے کے لیے مسجد کے منبر کی مثال دیا کرتا ہوں، چونکہ عام طور پر اس کی تین سیڑھیاں ہوا کرتی ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اگر کوئی شخص چھلانگ لگا کر تیسری سیڑھی پر چڑھنا چاہے گا تو اوندھے منہ گرے گا۔ صحیح طریقہ یہی ہے کہ اوّلاً پہلی سیڑھی پر، پھر دوسری سیڑھی پر اور پھر تیسری سیڑھی پر پہنچنے کی کوشش کرے۔ ان آیات میں گویا عملی اعتبار سے یہ تین مراحل ہیں۔ یہ تین سیڑھیاں ہیں جو ہمارے سامنے آ رہی ہیں۔

انفرادی لائحہ عمل

اب پہلی آیت پر توجہ مرکوز فرمایئے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ "اے اہلِ ایمان! یا اے ایمان کے دعوے دارو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اُس کے تقویٰ کا حق ہے۔ اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم فرمانبردار ہو" —— یہ بات سمجھنے کی ہے کہ قرآن مجید کا قریباً دو تہائی حصہ مکّی سورتوں اور آیتوں پر مشتمل ہے، لیکن اس میں آپ کو کہیں "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے الفاظ نہیں ملیں گے۔ زیادہ سے زیادہ سورۃ الحج کے آخری رکوع میں آتے ہیں، لیکن اس سورۂ مبارکہ کے بارے میں

اختلاف ہے کہ یہ مکّی ہے یا مدنی۔ میرا خیال یہ ہے کہ سورۃ الحج 'برزخی' سورت ہے ۔ اس میں مکّی آیات بھی شامل ہیں، مدنی بھی اور سفرِ ہجرت کے دوران نازل ہونے والی آیات بھی۔ واللہ اعلم!

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" سے خطاب مدنی دور میں شروع ہوا ہے جبکہ ایک امت کی تشکیل بالفعل ہو چکی تھی۔ لہٰذا امتِ مسلمہ سے خطاب کے لیے یہ عنوان اختیار کیا گیا، ورنہ اہلِ ایمان سے خطاب کے لیے سورۃ العنکبوت میں آپ کو یہ الفاظ ملیں گے: "یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا" "اے میرے بندو جو ایمان لائے"۔ یا سورۃ الزمر میں یہ الفاظ مل جائیں گے: "یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ" "اے میرے بندو جنہوں نے اپنے اوپر (گناہ کر کے) زیادتی کی ہے"۔ لیکن "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے الفاظ مدنی سورتوں میں کثرت کے ساتھ آتے ہیں۔ مثلاً سورۃ الحجرات کُل اٹھارہ آیات پر مشتمل ہے۔ اس میں پانچ آیات کا آغاز 'یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا' سے ہوتا ہے اور دوسری طرف سورۃ الاعراف جو چوبیس رکوعوں پر مشتمل ہے اور وہ حجم کے اعتبار سے طویل ترین مکّی سورت ہے، اس میں ۲۰۶ آیات ہیں۔ جبکہ آیات کے اعتبار سے سورۃ الشعراء سب سے بڑی مکّی سورت ہے جس کی آیات کی تعداد ۲۲۷ ہے لیکن ان طویل مکّی سورتوں میں بھی کہیں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے خطاب نہیں ملے گا۔ لہٰذا پہلی بات تو یہ سمجھیے کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے خطاب امتِ مسلمہ سے ہے اور یہ اندازِ تخاطب مدنی سورتوں میں نظر آتا ہے۔

دوسری بات یہ سمجھیے کہ سورۂ آلِ عمران کا غالب حصہ ۳ھ میں نازل ہوا ہے یعنی غزوۂ احد کے متصلاً بعد۔ لہٰذا ۳ھ کے حالات کو اپنے ذہن میں لائیے! مدینہ میں جہاں ایک کثیر تعداد مومنین صادقین کی ہے جس میں مہاجرین بھی ہیں اور انصار بھی، جن کے متعلق سورۂ توبہ میں فرمایا: 'وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ'، وہاں ساتھ ہی کچھ ضعیف الایمان لوگ بھی ہیں بلکہ منافقین بھی ہیں۔ یہ گروہ وہاں عبداللہ بن اُبَیّ کی سرکردگی میں حضورؐ کی مدینہ تشریف آوری کے وقت ہی سے وجود میں آ گیا تھا۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد کے لیے مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تو ایک ہزار افراد آپؐ کے ساتھ تھے، لیکن پھر عبداللہ بن اُبَیّ کے ساتھ تین سو افراد راستہ ہی سے

واپس چلے گئے اور حضورؐ کے ساتھ صرف سات سو افراد رہ گئے۔ اگر وہ تین سو افراد سب کے سب منافق نہیں تھے تب بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان میں منافق بھی تھے اور ضعیف الایمان لوگ بھی تھے اس لیے کہ جو لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت ساتھ چھوڑ کر چلے جائیں جبکہ یقین سے معلوم ہو کہ جنگ ہو کر رہے گی، ان کے لیے ہلکے سے ہلکے الفاظ ہم یہی کہہ سکتے ہیں۔

مختصراً یہ کہ اُس موقع پر معاملہ گڈمڈ تھا کہ صادق الایمان لوگ بھی حضورؐ کے ساتھ تھے، ایسے لوگ کہ جن کے ایمان و یقین کی وسعت و گہرائی کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کی گہرائی اور گیرائی کا ہم کیا تصور کریں گے! وہاں کمزور ایمان اور کمزور قوتِ ارادی والے لوگ بلکہ منافقین بھی موجود تھے۔ لیکن قرآن ان سب سے جب خطاب کرتا ہے تو 'یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا' کے الفاظ سے کرتا ہے۔ یہ بات بہت اہم ہے کہ پورے قرآن مجید میں کہیں 'یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ نَافَقُوْا' نہیں آیا۔ یعنی 'اے منافقو!' کہہ کر کہیں خطاب نہیں کیا گیا۔ جہاں منافقین سے بات ہوئی ہے وہاں بھی 'یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا' ہی سے ہوئی ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ ایمان کے دعوے دار تو وہ (یعنی منافقین) بھی تھے۔ کلمۂ شہادت وہ بھی پڑھتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں نمازیں وہ بھی ادا کرتے تھے، لیکن جب انہیں جنگ کے لیے پکارا جاتا تھا یا جب ان سے انفاق کا تقاضا ہوتا تھا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دو یا اللہ کی راہ میں جان ہتھیلی پر رکھ کر نکلو، تب ان کی جان نکلتی تھی۔ نمازیں وہ پابندی سے پڑھتے تھے۔ اگرچہ ان کی قلبی کیفیت کے اظہار کے لیے قرآن میں 'کُسَالٰی' کا لفظ آیا ہے کہ نماز کے لیے اُٹھتے بھی ہیں تو بڑے کسل کے ساتھ۔ ایک کیفیت تو یہ ہوتی ہے کہ انسان پوری دل کی آمادگی کے ساتھ اُٹھے، پورے ذوق و شوق کے ساتھ اُٹھے، جس کا ایک درجہ وہ بھی ہے جسے ایک حدیث مبارک میں ان الفاظ سے تعبیر فرمایا گیا کہ 'وَرَجُلٌ قَلْبُہٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ' ("اور وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے") اور دوسری صورت وہ ہوتی ہے جسے لفظ 'کُسَالٰی' سے تعبیر فرمایا گیا۔

بہرحال جن آیات کا ہم مطالعہ کر رہے ہیں ان میں 'یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا' سے خطاب ہے۔ چنانچہ اہلِ ایمان سے پہلا تقاضا کیا گیا: "اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ"

"اے ایمان کے دعوے دارو، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے"۔ تقویٰ کا مفہوم کیا ہے! بچ کر چلنا، پھونک پھونک کر قدم رکھنا، تقویٰ کا اصل مفہوم یہی ہے۔ حضرت اُبیّ ابن کعب رضی اللہ عنہ ایک انصاری صحابی ہیں جن کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا: "اقرؤھم ابی ابن کعب"۔ "صحابہ کرامؓ میں قراءتِ قرآن کے سب سے بڑے عالم یہ حضرت ابی ابن کعب ہیں"۔ ان سے ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ "تقویٰ" کیا ہے! آپ اسے کیسے DEFINE کریں گے؟ تو حضرت اُبی بن کعبؓ نے اس لفظ کی بڑی خوبصورت تشریح کی جسے صحابہ کرامؓ کی اس مجلس کے تمام شرکا نے تسلیم کیا کہ بے شک یہ اس لفظ کی بہترین تعبیر ہے۔ ان کی تشریح کو میں اپنے الفاظ میں بیان کروں تو وہ یہ ہے:

> 'امیر المومنین! جب کسی شخص کو جنگل میں ایسی پگڈنڈی سے گزرنے کا اتفاق ہو، جس کے دونوں اطراف میں خاردار جھاڑیاں ہوں تو ایسی پگڈنڈی پر گزرتے وقت وہ شخص لامحالہ اپنے کپڑوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر اس راستہ کو اس طرح طے کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کے کپڑے جھاڑیوں اور ان کے کانٹوں سے اُلجھنے نہ پائیں تو اس احتیاطی رویّے کو تقویٰ کہا جائے گا'۔

اب اس مفہوم کو سامنے رکھ کر اس آیت پر اپنی توجہات کو مرتکز کیجئے۔ ایمان کے معنی کیا ہیں؟ یہ کہ آپ نے توحید کے التزام کے ساتھ اللہ کو مانا، یوم آخرت کا اقرار کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مانا۔ اب اِن ایمانیاتِ ثلاثہ کا تقاضا کیا ہے؟ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو مانیے! وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ (التغابن: ۱۲) "اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور اگر تم روگردانی کرو گے تو جان لو کہ صاف صاف پہنچانے کے سوا ہمارے رسولؐ پر کوئی اور ذمہ داری نہیں ہے"۔ اور وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ

عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ (الحشر: ۷) "اور جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم دیں اُسے مضبوطی سے تھامو اور جس سے روکیں اُس سے رُک جاؤ۔" آخرت پر ایمان لانے کا تقاضا کیا ہے؟ یہ کہ:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (البقرۃ: ۱۲۳) "اور بچو اس دن (کی سزا) سے کہ جس دن کوئی شخص کسی کے ذرا بھی کام نہیں آئے گا اور نہ قبول کیا جائے گا اس کی طرف سے کوئی فدیہ اور نہ کام آئے گی اس کے حق میں کسی کی سفارش اور نہ کسی کی طرف سے ان کو مدد پہنچے گی۔"

پس پہلا تقاضا ہے تقویٰ ——— اگر واقعۃً ایمان دل میں ہے تو ہر لفظ زبان سے نکالنے سے پہلے انسان سوچے گا کہ میرے اس لفظ سے اللہ راضی ہوگا یا ناراض! میں اس کو قیامت کے دن JUSTIFY کر سکوں گا یا نہیں! جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، اسے کہنے کا مجھے حق حاصل ہے یا نہیں! ہر حرکت جو ہمارے اعضاء و جوارح سے ہو، وہ ہاتھ سے ہو، پاؤں سے ہو، یہاں تک کہ آنکھ کی حرکت کی بھی جوابدہی کرنی ہوگی۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ سے خطاب کر کے فرمایا تھا کہ اے علی! کسی نامحرم عورت پر پہلی مرتبہ اچانک نگاہ پڑ جائے تو وہ معاف ہوگی، لیکن دوسری مرتبہ اگر نگاہ اٹھی تو وہ معاف نہیں ہے اس لیے کہ یہ انسان کا ارادی عمل ہے۔ معلوم ہوا کہ زبان، آنکھ، کان کا ہر ارادی عمل مسئول ہے: اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل: ۳۶) آپ نے سنا ہوگا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ طرزِ عمل تھا کہ جب کبھی کسی راستہ میں ان کے کانوں میں گانے بجانے کی آواز آتی تھی تو فوراً اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے اور ساتھ چلنے والے سے پوچھتے تھے کہ اب تو آواز نہیں آ رہی! جب ان کو بتا دیا جاتا تھا کہ آواز نہیں آ رہی تب وہ کانوں سے انگلیاں نکالتے تھے۔ معلوم ہوا کہ ہمارا پورا وجود، ہماری آنکھیں، ہمارے کان، ہماری زبان، ان سب کے استعمال میں ہمیں محتاط رہنا ہوگا۔ زبان کے بارے میں تو حضورؐ نے یہ فرمایا کہ جہنّم میں سب سے زیادہ لوگوں کو جھونکنے والی شے یہ زبان ہے۔ زبان کے غلط استعمال کو حضورؐ نے "حصائدُ الالسنۃ" قرار دیا ہے یعنی زبان کی وہ کھیتیاں جو آخرت میں کاٹنی ہوں گی۔ قرآن خبر دیتا ہے کہ انسان کوئی لفظ منہ سے نہیں نکال پاتا مگر یہ کہ اس کے پاس ہی ایک ہوشیار نگران تیار رہتا ہے:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (قٓ: ۱۸) پھر یہ کہ ہمارے جو اعضاء و جوارح ہیں ان سے جو حرکت بھی سرزد ہو وہ اس احساس کے تحت ہو کہ مجھے اس کی جوابدہی کرنی ہوگی اور آخرت کے دن اس کا حساب دینا ہوگا۔ ACCOUNT FOR کرنا ہوگا۔ یہ احساس اور یہ روش تقویٰ ہے۔ فرمایا کہ اتنا تقویٰ اختیار کرو جتنا اللہ کے تقویٰ کا حق ہے: اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ ـــــ معمولی تقویٰ مطلوب نہیں ہے بلکہ پوری حدود و قیود کے ساتھ مطلوب ہے۔ "حَقَّ تُقٰتِهٖ" کی شان والا تقویٰ درکار ہے۔ ہم اور آپ تلاوت کرتے وقت اس آیت پر سے سرسری طور پر گزر جاتے ہیں۔ ہمیں خیال ہی نہیں آتا کہ قرآن کی یہ آیت ہم سے کیا مطالبہ کر رہی ہے! لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس پر گھبرا گئے، لرز اُٹھے کہ کس انسان کے لیے ممکن ہے کہ وہ اتنا تقویٰ اختیار کر سکے جتنا اللہ کا حق ہے۔ یہاں تو گویا یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ ہمارے اعضاء و جوارح سے کسی لمحہ بھی کوئی جنبش اللہ کی مرضی کے خلاف نہ ہو، جبکہ انسان کا معاملہ یہ ہے کہ اس سے خطا ہو سکتی ہے۔ کہیں جذبات سے مغلوب ہو کر، کہیں غیر شعوری طور پر، کہیں بھول میں خطا کا صدور ہو سکتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ گھبرا گئے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر فریاد کی کہ ہم میں سے کون ہوگا جو اللہ کا ایسا تقویٰ اختیار کر سکے جیسا کہ تقویٰ کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑا غفور، بڑا رحیم، بڑا رؤف ہے اس نے ان مؤمنین صادقین کی دل جوئی اور اطمینان کے لیے سورۃ التغابن میں یہ وضاحت فرمائی: فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ "اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا تمہارے حدِ امکان میں ہے"۔ اب صحابہؓ کی جان میں جان آئی کہ انسان اپنی استطاعت کے مطابق تو کر سکتا ہے ـــــ لیکن یہاں مغالطہ نہ ہو جائے کہ تقویٰ کی روش اختیار کرنے کی شعوری کوشش یہ سمجھ کر چھوڑ دی جائے کہ ہم میں اس کی استطاعت ہی نہیں ہے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ کس کو اس نے کتنی استطاعت دی ہے۔ اگر ہم میں سے کوئی بھی اس مغالطہ میں مبتلا ہو گیا کہ مجھ میں فلاں فرائضِ دینی کی بجاآوری کی استعداد و استطاعت ہی نہیں ہے تو جان لیجئے کہ یہ خالص شیطانی وسوسہ ہے۔ یہ عذرِ گناہ بدتر از گناہ والا معاملہ ہو جائے گا۔

اب اگلے ٹکڑے پر توجہ فرمائیے۔ آیت کا اختتام ہوتا ہے ان الفاظ مبارکہ پر:

وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۔ لفظی ترجمہ یہ ہوگا "اور ہرگز مت مرنا مگر اسلام (فرماں برداری) کی حالت میں"۔ اسلام کسے کہتے ہیں؟ سرِ تسلیم خم کرنے کو ——— فارسی میں اس کی تعبیر ہوگی گردن نہادن۔ انگریزی میں اسے TO SUBMIT اور TO SURRENDER کہا جائے گا۔ یعنی کوئی مقابلہ تھا اس میں اگر آپ نے ہتھیار رکھ دیئے اور سپر ڈال دی تو اس رویہ کا نام اسلام ہے۔ تو یوں سمجھیے کہ ہمارا نفس اکثر و بیشتر اللہ سے سرکشی کرتا ہے۔ اللہ کا حکم کچھ ہے نفس کا تقاضا کچھ اور ہے۔ خیر و شر کی یہ کشمکش اور کشاکش انسان کے باطن میں چلتی رہتی ہے لیکن جب انسان ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کر لیتا ہے کہ اب جو اللہ کا حکم ہوگا اور اس کے رسولؐ کا حکم ہوگا بجا لائیں گے جو ان کا فرمان ہوگا اس کے مطابق عمل کریں گے تو یہ اسلام ہے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ "تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر حالتِ اسلام میں"۔ اس کلام میں جو بلاغت ہے اس پر غور فرمائیے کسی انسان کے پاس کوئی یقینی علم نہیں ہے کہ وہ کتنی مہلتِ زندگی لے کر آیا ہے اور اس کی موت کب واقع ہوگی۔ مجھے کوئی پتہ نہیں، ہو سکتا ہے کہ ابھی درس کے بعد مسجد سے نکلوں اور کوئی ایکسیڈنٹ ہو جائے اور یہ زندگی ختم ہو جائے۔ آپ کا مشاہدہ ہوگا کہ بسا اوقات صبح لوگ گھر سے اپنے کاروبار کے لیے نکلتے ہیں اور شام کو گھر پر لاش پہنچتی ہے یا موت کی اطلاع ملتی ہے۔ تو چونکہ موت کا کوئی وقت ہمیں معلوم نہیں لہٰذا اگر کوئی شخص یہ طے کر لے کہ "میں ہرگز نہیں مروں گا مگر فرمانبرداری کی حالت میں" تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اسے ہر لمحہ چوکس ہو کر بسر کرنا ہوگا کہ زندگی کا کوئی لمحہ معصیت میں بسر نہ ہو۔ کیا پتہ موت کا پنجہ کب آ کر دبوچ لے! کسی کے پاس کوئی گارنٹی نہیں ہے، کوئی ضمانت نہیں ہے کہ اسی معصیت والے لمحہ میں موت نہیں آ جائے گی۔ اس بات کو سمجھانے کے لیے میں آپ کے سامنے ایک حدیث رکھتا ہوں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں اور یہ متفق علیہ روایت ہے:

لَا يَزْنِي الزَّانِي حِيْنَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ۔ "کوئی زانی حالتِ ایمان میں زنا نہیں کرتا، کوئی چور ایمان کی حالت میں چوری نہیں کرتا اور کوئی شرابی حالتِ ایمان میں شراب نہیں پیتا"۔

گویا ــــ جس وقت وہ یہ عمل کر رہا ہے اس وقت ایمان کی اصل حقیقت اس کے دل سے نکل چکی ہوتی ہے اگرچہ وہ اس معصیت سے کافر نہیں ہوتا، یہ بات ذہن میں رکھیے! امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف صد فی صد درست ہے کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں ہو جاتا۔ لیکن وہ قلبی یقین والا ایمان اس وقت موجود نہیں ہوتا۔ اگر ہو تو زنا کیسے کرے! اگر وہ قلبی ایمان ہو تو چوری کیسے ہو! شراب کیسے پیئے! اب آپ غور کیجئے کہ جس وقت کوئی شخص ان میں سے کوئی کام کر رہا ہے اور عین اس وقت اس کی رُوح قبض کر لی جائے تو یہ موت کس قدر حسرتناک موت ہوگی۔ یہ فرمانبرداری کی حالت کی موت تو نہیں ہوئی بلکہ اس کے برعکس حالتِ نافرمانی کی موت ہوئی۔ اس سے بچنے کی صرف ایک ہی شکل ہے کہ انسان محتاط رہے کہ کوئی بھی لمحہ نافرمانی میں بسر نہ ہو۔

میں یہ عرض کر دوں کہ تقویٰ کے موضوع پر میرے محدود علم کی حد تک قرآن مجید کا سب سے زیادہ تاکیدی مقام یہی ہے۔ تقویٰ کے ساتھ تو فرمایا: حَقَّ تُقٰتِہٖ یعنی تقویٰ اختیار کرو جتنا اللہ کا حق ہے اور آگے فرمایا: "دیکھنا ہرگز موت نہ آئے مگر حالتِ فرمانبرداری میں" وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ یہ ہے پہلا نکتہ اور یہ ہے پہلی سیڑھی جس پر ہر مسلمان کو مضبوطی سے قدم جمانے کی پُرزور تاکید اور حکم آیا ہے۔ اور اگر یہیں قدم نہیں جمے ہیں تو اگلی بات کرنا بیکار ہے، بلکہ اس صورت میں اگلی بات کرنا ذہنی عیاشی بن جاتی ہے۔ سورۃ البقرۃ میں یہود کے علماء کے بارے میں کہا گیا: اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط "کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو درآنحالیکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو۔" (البقرہ: ۴۴) یعنی تمہارے پاس توریت موجود ہے۔ یہ طرزِ عمل جو یہود کے علماء کا تھا ہمیں اپنے معاشرہ میں بھی نظر آجاتا ہے کہ تلقین بھی ہے، وعظ و نصیحت بھی ہے، بڑے اعلیٰ مقالات بھی لکھے جا رہے ہیں، بڑی عمدہ تقاریر بھی ہو رہی ہیں لیکن قریب ہو کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عملی زندگی میں وہ تقویٰ، وہ اسلام، وہ فرمانبرداری کی روش اور وہ حلال و حرام کی پابندی مفقود ہے، حالانکہ ہمارے دین کا بنیادی تقاضا ہر فرد سے یہ ہے کہ وہ امکانی حد تک تقویٰ اختیار کرے اور اللہ اور رسولؐ کا فرمانبردار بنے۔

بہرحال قرآن کے عطا کردہ سہ نکاتی لائحہ عمل کا پہلا قدم یہ ہے۔ اس سیڑھی پر اپنے

قدموں کو جمانا ضروری ہے۔ اس موضوع پر مزید وقت صرف کیے بغیر میں اس ضمن میں صرف ایک اور بات عرض کروں گا اور وہ یہ کہ ہمارے یہاں بعض اوقات یہ تصوّر نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے کہ خواہ تقویٰ ہو، خواہ اسلام ہو، خواہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری ہو یہ تمام باتیں من حیث الکل مطلوب ہیں یعنی پوری زندگی میں تقویٰ ہے تو حقیقی تقویٰ ہے لیکن اگر معاملہ یہ ہو جائے کہ زندگی کے ایک گوشے میں آپ اللہ کے احکام کی بڑی پابندی کر رہے ہیں مثلاً آپ نے متقیوں کی سی وضع قطع اختیار کر لی ہے لیکن کاروبار میں آپ اسلام کے خلاف طریقے اختیار کر رہے ہیں۔ ناجائز اور حرام ذرائع اپناتے ہوتے ہیں تو جان لیجئے کہ یہ صورتِ حال تقویٰ کے منافی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اِتَّقُوا اللّٰهَ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ۔ "اللہ کا تقویٰ اختیار کرو چھپے اور کھلے ہر حال میں"۔ ایک مرتبہ آپؐ نے اپنے دستِ مبارک سے تین بار اپنے سینۂ مبارک کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا۔ اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا۔ اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا۔ "تقویٰ یہاں ہوتا ہے"۔ تقویٰ اگر دل میں ہو گا تو پورے وجود میں سرایت کر جائے گا۔ پھر وہ تقویٰ پوری شخصیت کو اس رنگ میں رنگ دے گا جسے قرآن مجید میں 'صِبْغَةَ اللّٰهِ' کہا گیا ہے: صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (البقرہ: ۱۳۸) لیکن اگر ایسا نہیں ہے، صرف ایک جزو میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کی پابندی ہے اور دیگر معاملات میں آزادی اختیار کی گئی ہے تو یہ دراصل یہود کا سا طرزِ عمل ہے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ میری امت میں بھی وہ ساری برائیاں پیدا ہوں گی جو بنی اسرائیل میں پیدا ہوئیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ "اگر وہ یعنی بنی اسرائیل گوہ کے بل میں گھسے تھے تو تم بھی گھسو گے۔ یہاں تک الفاظ ہیں، اگرچہ بیان کرتے ہوئے جھجک پیدا ہوتی ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں تو آپ کو سناتا ہوں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ "اگر بنی اسرائیل میں کوئی ایسا بدبخت پیدا ہوا جس نے اپنی ماں سے زنا کیا ہو تو تم میں سے بھی کوئی بدبخت ایسا ضرور پیدا ہو گا"۔

مراد یہ ہے کہ وہ تمام دینی، اعتقادی، فکری، علمی اور عملی خرابیاں جو سابقہ امت (یعنی بنی اسرائیل) میں پیدا ہوئیں، وہ سب اس امت یعنی امتِ مسلمہ میں بھی پیدا ہوں گی۔ حدیث کا متن حسب ذیل ہے:

لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِي كَمَا اَتٰى عَلٰى بَنِي اِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰى اِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ اَتٰى اُمَّهٗ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي اُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذٰلِكَ۔

"میری امّت پر بھی وہ تمام حالات وارد ہوں گے جو بنی اسرائیل پر ہوئے بالکل ایسے جیسے ایک جوتی دوسری جوتی سے مشابہ ہوتی ہے۔۔۔۔"

نہایت فصیح و بلیغ تشبیہ ہے۔ جوتی کے ایک جوڑے کو دیکھیے تو چونکہ پنجے کا رُخ مختلف ہوتا ہے اس لیے آپ کو بظاہر ایک جوتی دوسری جوتی سے مختلف نظر آئے گی لیکن ان کے تلوؤں کو جوڑیئے تو بالکل ایک ہوں گی۔ اسی طرح بنی اسرائیل اور امّتِ مسلمہ کے احوال میں ظاہراً تو فرق موجود ہے اس لیے کہ بہرحال چودہ سو برس کا فاصلہ ہے۔ چنانچہ ظاہری اعتبار سے کچھ نہ کچھ فرق ہے لیکن بین السطور دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ سرِ مُو کوئی فرق نہیں۔ تو وہ کیفیت جو قرآن مجید میں یہود کے بارے میں فرمائی گئی، ہم میں سے ہر شخص کو اپنے گریبان میں خود جھانکنا چاہیے کہ کہیں ہم تو اس میں مبتلا نہیں ہیں؟ اور کہیں اس آئینہ میں ہمیں اپنی صورت تو نظر نہیں آ رہی ہے! قرآن مجید میں یہود کو مخاطب کر کے فرمایا: اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ "کیا تم کتاب اور شریعت کے ایک حصّہ کو مانتے ہو اور ایک کو نہیں مانتے؟ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ـــــ تو کان کھول کر سُن لو کہ "تم میں سے جو کوئی بھی یہ طرزِ عمل اختیار کرے گا اس کی کوئی سزا اس کے سوا نہیں ہے کہ دنیا کی زندگی میں ان کو ذلیل و خوار کر دیا جائے" اور وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ "اور قیامت کے دن ان کو شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے گا۔" (البقرہ: ۸۵) یہ ہے اللہ کی وعید ان لوگوں کے لیے جو دین کے حصّے بخرے کر لیں کہ زندگی کے ایک حصّے میں تو دین پر چلوں گا اور جو دوسرے گوشے ہیں تو ان کے لیے عذرات کا پلندہ ہے کہ اجی کیا کروں؟ یہ تو مجبوری ہے۔ یہ تو زمانے کا چلن ہے۔ یہ تو برادری کا رواج ہے۔ شادی بیاہ کی رسومات کا مسئلہ تو عورتوں سے متعلق ہے اس میں ہمارا کوئی بس نہیں چلتا۔ کاروبار چل نہیں سکتا جب تک بنکوں سے سُودی لین دین نہ ہو۔ کیا کریں! مہنگائی بہت ہے، گزارا مشکل ہے۔ بچوں کی اعلیٰ تعلیم کا مسئلہ ہے، رشوت نہ لیں تو کام

کیسے چلے گا؟ اب پردے کا رواج کہاں رہا ہے! ہم اپنی خواتین کو پردہ کرائیں گے تو دقیانوس اور رجعت پسند کہلائیں گے ـــــ یہ بہانے بنا کر ہم نے زندگی کو تقسیم کر لیا ہے کہ ایک حصّہ میں تو شریعت کی پابندی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ حصّہ بہت محدود ہے اور جو دوسرا وسیع تر حصّہ ہے وہ شریعت سے آزاد ہے۔ تو قرآن مجید کی رُو سے اس پر تبصرہ وہ ہے جو میں نے سورۃ البقرہ کی آیت کے حوالہ سے ابھی آپ کو سنایا ہے۔

نکتہ دوم: حیاتِ ملّی کا استحکام

اب آیئے دوسری آیت پر۔ وہ لوگ جو پہلی آیت کے تقاضوں ـــــ تقویٰ اور اسلام پر کسی نہ کسی درجے میں عمل کر رہے ہوں ـــــ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ کر چکے ہوں۔ اس لیے کہ انسان موت تک کبھی یہ طے نہیں کر سکے گا کہ میں یہ تقاضے پورے کر چکا ہوں۔ کون شخص یہ دعویٰ کر سکے گا کہ میں نے اللہ کا اتنا تقویٰ اختیار کر لیا جتنا کہ اس کا حق ہے۔ کوئی انسان اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ جب صحابہ کرامؓ گھبرا گئے تو ہم میں سے کون ہو گا جو اس کی جرأت کر سکے۔ لہٰذا جو اس پر عمل کے لیے کوشاں ہوں، اس کے لیے مسلسل جدوجہد کر رہے ہوں، اب ان کو آپس میں جڑنا چاہیے، اس لیے کہ جب تک وہ آپس میں مربوط نہیں ہوں گے، بنیانِ مرصوص نہیں بنیں گے، اس وقت تک وہ دنیا میں کوئی مؤثر اور نتیجہ خیز کام نہیں کر سکتے۔ آپ کو کوئی بھی چھوٹا بڑا کام کرنا ہو، خواہ وہ بھلائی کا ہو یا برائی کا، اس کے لیے اجتماعیت ناگزیر ہے۔ اب بات سمجھانے کے لیے ایک مثال پیش کر رہا ہوں کہ جو لوگ جیب کاٹنے کا پیشہ اختیار کرتے ہیں ان کا بھی اگر اپنا ایک جتھہ نہ ہو، ایک گروہ نہ ہو، اُن کا کوئی گرو نہ ہو اور وہ شہر کے علاقے ان کے مابین تقسیم نہ کرتا ہو، روزانہ سارے جیب کترے اپنی کمائی لے جا کر اس کے قدموں میں نہ ڈال دیتے ہوں تو یہ پیشہ بھی "کامیابی" سے نہیں چل سکتا۔ ڈاکوؤں کے بارے میں تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ ان کا بڑا مضبوط جتھہ ہوتا ہے اور اس میں بڑا سخت نظم ہوتا ہے، ورنہ وہ کیسے بڑے بڑے ڈاکے ڈال سکیں گے! پس معلوم ہوا کہ کوئی کام چاہے خیر کا ہو خواہ شر کا، اس کے لیے اجتماعیت ناگزیر

ہے اور اس کے کارکنوں کا باہم مربوط ہونا لازم ہے۔ خیر کا سب سے عظیم کام وہ ہے جو جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرانجام دیا۔ میں اس کا ذکر آگے کروں گا۔ اس کام کے لیے ظاہر بات ہے کہ اجتماعیت کی ضرورت ہے۔ لیکن جس طرح کسی فصیل کے لیے پختہ اینٹ کی ضرورت ہے۔ آپ ناپختہ اینٹ کو لگا دیں تو دیوار کمزور رہے گی۔ لہٰذا پہلی چیز کیا ضروری ہے؟ یہ کہ ہر اینٹ پختہ ہو۔ اب انسانی اجتماعیت میں اینٹ کی جگہ فرد کو متصوّر کیجیے۔ مسلم اجتماعیت کی ہر اینٹ کی پختگی کا پروگرام تو پہلی آیت میں آچکا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾۔ اب ان اینٹوں کو باہم جوڑنا ہے۔ خود بخود سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کو جوڑنے والا مسالہ کونسا ہے! اس کا جواب ہے اس دوسری آیت میں: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ ــــ "اور مضبوطی سے پکڑلو اللہ کی رسّی کو سب مل جل کر اور جمع ہو کر"۔ یا اس کا ایک ترجمہ یہ بھی ہے کہ "پوری کی پوری رسّی کو" اس لیے کہ یہاں "جَمِيعًا" حال ہے۔ کس کے لیے حال ہے! تو ایک صورت تو یہ ہے کہ جن کو حکم دیا جارہا ہے وہ سب کے سب مل جل کر اس رسّی کو مضبوطی سے پکڑیں اور دوسری یہ کہ پوری رسّی کو تھامیں۔ اس کے کسی ایک جزو کو نہیں۔ اب یہ رسّی کون سی ہے! یہ ہے اصل سوال۔ یہاں قرآن مجید کے اصولوں میں سے ایک اصول کو جان لیجیے! اگر قرآن مجید میں کوئی ایسا لفظ یا حکم آگیا ہے جس کی وضاحت درکار ہے تو پہلا اصول یہ ہے کہ قرآن مجید ہی کی طرف رجوع کرو۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا ایک حصّہ دوسرے حصّے کی تشریح کر دیتا ہے۔ مفسّرین کے یہاں یہ اصُول تسلیم کیا جاتا ہے کہ: "اَلْقُرْآنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بَعْضًا"۔ قرآن کا ایک حصّہ دوسرے حصّے کی تفسیر کر دیتا ہے۔ لیکن فرض کیجیے کہ آپ کو قرآن مجید میں کہیں دوسری جگہ اس کی توضیح نہیں ملی۔ اب قرآن مجید کو سمجھنے کا دوسرا ذریعہ کیا ہے؟ وہ ہے سنّتِ رسول علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام۔ اس لیے کہ اللہ تعالےٰ نے خود قرآن مجید میں یہ فرمایا ہے کہ اے نبی! یہ آپ کا فرضِ منصبی ہے کہ جو کتاب ہم آپ پر نازل کر رہے ہیں آپ اس کی وضاحت فرمائیں: ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾[1] "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ الذکر، یہ کتاب، یہ قرآن، یہ نصیحت آپ پر نازل کی گئی ہے تاکہ آپ اس کی تبیین کریں، اس کی وضاحت کریں ان لوگوں کے لیے جن کیلئے

---

[1] النحل: ۴۴

اسے ہم نے اتارا ہے"۔ لہٰذا ہمارا دوسرا طریقہ کیا ہوگا! یہ کہ سنّت وحدیثِ رسولؐ کی طرف رجوع کریں کہ یہاں جو 'حبل اللہ' فرمایا گیا ہے اس سے مراد کیا ہے! مجھے اِن حضرات سے اختلاف ہے جنہوں نے اس کے معنی خود معیّن کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لیے کہ اگر حبل اللہ کا مفہوم احادیث میں نہ ہوتا اور وہ احادیث مرفوع نہ ہوتیں یا سند کے اعتبار سے مضبوط نہ ہوتیں تب تو معاملہ دوسرا ہو سکتا تھا لیکن جہاں ہمیں مرفوع حدیث مل جائے اور وہ ثقہ ہو، مضبوط ہو، مستند ہو، روایت کے اعتبار سے قابلِ اعتماد ہو تو پھر اس کے بعد اپنا 'قول' لگانے کی کوشش کرنا، اپنا فلسفہ بیان کرنا، میرے نزدیک یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہو جائے گی۔ جہاں کوئی چیز نہیں ملی وہاں آپ غور کیجیے، اپنی عقل کے گھوڑے دوڑ لیجیے لیکن جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مل جائے وہاں اپنی عقل، اپنی سوچ اور محض لغوی معنوں پر بحث میرے نزدیک غلط ہے۔ اب میں اختصار کے ساتھ آپ کو حضورؐ کی تین احادیث سنا دیتا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے 'حبل اللہ' کا کیا مفہوم و مطلب معیّن فرمایا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قرآن کی عظمت و فضیلت کے بارے میں ایک طویل حدیث مروی ہے۔ اس میں حضورؐ نے قرآن کے بارے میں فرمایا: هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ۔ "یہ قرآن ہی اللہ کی مضبوط رسّی ہے"۔ (ترمذی و دارمی)

دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

قال رسولُ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: "القراٰنُ حبلُ اللّٰهِ الممدودُ من السّماءِ الی الارض"۔ ــــــ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن ہی اللہ کی وہ رسّی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے"۔

تیسری حدیث طبرانی کبیر میں حضرت جُبیر ابن مُطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور بڑی ہی پیاری حدیث ہے۔ اس کے اندر جو تفصیل آئی ہے وہ ایسی ہے کہ جس کو سُن کر تھوڑی دیر کے لیے انسان اپنے آپ کو دورِ نبوی کے ماحول میں موجود محسوس کرنے لگتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ سے برآمد ہوتے۔ آپؐ نے دیکھا کہ مسجدِ نبوی کے ایک گوشے میں چند صحابہؓ بیٹھے ہوتے ہیں اور قرآن پڑھ رہے ہیں اور آپس میں سمجھ سمجھا رہے ہیں۔ گویا قرآن مجید

کا مذاکرہ ہو رہا ہے۔ حضورؐ کے چہرۂ مبارک پر بشاشت کے آثار نمایاں ہوئے۔ آپؐ ان کے پاس تشریف لائے اور ان سے ایک عجیب سوال کیا۔ آج آپ حضرات بھی یہ سوال اپنے آپ سے کیجئے اور پھر سوچیے کہ جو جواب صحابہ کرامؓ نے دیا تھا کیا وہ جواب ہم بھی اپنے قلب کی گہرائی سے دے سکتے ہیں! سوال کیا تھا: "اَلَسْتُمْ تَشْهَدُوْنَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ جَاءَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ" "کیا تم اس بات کے گواہ نہیں ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تنہا ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اور یہ کہ یہ قرآن اللہ کے پاس سے آیا ہے" صحابہ کرامؓ کا جواب تھا: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ "یقیناً اے اللہ کے رسول" (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم بھی قلب کی گہرائی سے یہی گواہی دے سکیں۔ اپنی زبان کی نوک سے تو ہم سب اس کی گواہی دیتے ہیں کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ لیکن جب یہ گواہی ہمارے قلب کی گہرائی سے ابھرے تب ہے اصل گواہی۔ جس کے لیے اقبال نے کہا ہے کہ ؎

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل ونگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں!

اور ؏ "دے تو بھی محمدؐ کی صداقت کی گواہی"

صلی اللہ علیہ وسلم۔ بہرحال جب صحابہؓ نے یہ جواب دیا: "بلیٰ یا رسول اللہ" تب حضورؐ نے فرمایا: "فَاَبْشِرُوْا فَاِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ طَرَفُهٗ بِيَدِ اللّٰهِ وَطَرَفُهٗ بِاَيْدِيْكُمْ فَتَمَسَّكُوْا بِهٖ فَاِنَّكُمْ لَنْ تَهْلِكُوْا وَلَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اَبَدًا۔" "تو اب خوشیاں مناؤ۔ اس لیے کہ قرآن کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ایک سرا تمہارے ہاتھ میں۔ پس اسے مضبوطی سے تھامے رکھو! اگر تم نے اسے تھامے رکھا تو تم اس کے بعد نہ کبھی ہلاک ہو گے اور نہ گمراہ" ۔۔۔۔۔ اب بتائیے کہ ان تین احادیث کے بعد کچھ اور کہنے کی گنجائش ہے؟ کیا حبل اللہ کا مفہوم قرآن مجید کے سوا کچھ اور ہو سکتا ہے۔ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کے بعد میرا یا کسی اور کا، کسے باشد، یہ حق تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ حبل اللہ کا کوئی

دوسرا مفہوم بیان کر سکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر معین فرمایا کہ حبل اللہ قرآن مجید ہے۔ علامہ اقبال نے بڑے خوبصورت انداز میں فارسی میں کہا ہے کہ ؎

از یک آئینی مسلماں زندہ است
پیکرِ ملت ز قرآں زندہ است
ما ہمہ خاک و دلِ آگاہ اوست
اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست

یعنی مسلمانوں کی حیاتِ ملی اور ہیئتِ اجتماعی کا کل دارومدار قرآن پر ہے جس سے انہیں ایک قانون اور آئین میسر آتا ہے۔ ہم سب یعنی جملہ اعضائے جسدِ ملی تو خاک کے مانند ہیں، اس جسدِ خاکی میں قلب کی حیثیت قرآن کو حاصل ہے۔ پس اے مسلمان اسے مضبوطی سے تھام لے اِس لیے کہ حبل اللہ یہی ہے!

پس ایک اور عملی نکتہ یہ ہوا کہ: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا! اللہ کی اس رسّی یعنی قرآن مجید سے مضبوطی کے ساتھ چمٹ جاؤ ـــــ عربی میں عصمت کہتے ہیں حفاظت کو ـــــ اور اعتصام کے معنی ہوں گے اپنی حفاظت کے لیے کسی سے چمٹ جانا۔ کسی چھوٹے بچے کا تصور کیجیے۔ اگر کسی وقت اُسے کسی طرف سے کوئی اندیشہ ہو خطرہ ہو، کوئی خوف ہو تو آپ کو معلوم ہے کہ وہ بے اختیار اپنی ماں کی گود کی طرف لپکتا ہے اور اس کے سینہ سے چمٹ جاتا ہے۔ اس کے ذہن کی جو چھوٹی سی دنیا ہے اور اس کا جو چھوٹا سا پیمانہ ہے اس کے مطابق ماں کے سینہ سے چمٹ کر وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں قلعہ میں آگیا ہوں۔ اب مجھے پوری حفاظت حاصل ہوگئی ہے۔ یہ بالکل دوسری بات ہے کہ کوئی شقی القلب انسان بچے کو ماں کی گود سے چھینے۔ اس کو اچھالے اور نیزے کی اَنّی میں پرو دے، جیسا کہ قیامِ پاکستان کے فسادات کے وقت اور ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کے سقوط کے سانحہ کے موقع پر عملاً ہو چکا ہے ـــــ بہرحال اعتصام کا مفہوم ہے حفاظت کے لیے کسی سے چمٹ جانا۔ چنانچہ فرمایا: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ اس قرآن مجید کو، اللہ کی اس رسّی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو۔ اس کے ساتھ مِل جُل کر چمٹ جاؤ یا پورے کے پورے قرآن

کو تھامو، ادھورے کو نہیں۔ ادھورے کو تھامو گے تو وہی بات ہو جائے گی جو میں پہلے عرض کر چکا ہوں یعنی "اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ" ـــــ "کیا تم کتابِ الٰہی کے ایک حصّے کو مانتے ہو اور ایک کو نہیں مانتے!" ـــــ 'جمیعًا' کے لفظ میں یہ دونوں مفاہیم شامل ہیں کہ مل جُل کر قرآن کو تھامو، اس سے چمٹ جاؤ اور یہ کہ پورے کے پورے قرآن کو تھامو، اس کے ایک حصّے اور جزو کو نہیں۔ اسی کو مؤکّد کیا گیا یہ فرما کر کہ وَلَا تَفَرَّقُوْا۔ اور اس معاملہ میں تفرقہ میں نہ پڑ جانا۔

اس کے بعد اس دور سے جس میں قرآن مجید نازل ہو رہا تھا ایک تاریخی گواہی پیش کی گئی۔ ارشاد فرمایا: وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ "(اے مسلمانو) اور یاد کرو اللہ کا اپنے اُوپر احسان اور نعمت" ـــــ خطاب کن لوگوں سے ہے اسے ذہن میں رکھیے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ اس کے مخاطب ہیں مہاجرین اور انصار ـــــ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً "جب تم آپس میں دشمن تھے" فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ "پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں محبت پیدا کر دی"۔ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا۔ "پس اللہ کے انعام و اکرام سے تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے" ـــــ مدینہ کے دو قبیلوں اوس اور خزرج میں بڑی پرانی دشمنی تھی جس کے نتیجے میں اسلام سے قبل ان میں بڑی خونی جنگیں ہوتی رہی تھیں۔ علاوہ ازیں عرب میں دوسرے قبائل میں بھی بات بات پر جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ الغرض پورے عرب میں بدامنی تھی۔ صرف قریش کو امن حاصل تھا وہ بھی خانہ کعبہ کی بدولت، چونکہ وہ اس کے متولی تھے۔ ورنہ پورے عرب میں خانہ جنگی تھی۔ لوٹ مار، غارت گری اور بدامنی کا بازار گرم تھا۔ اوس اور خزرج کی جس دشمنی کا میں نے ذکر کیا ہے وہ ایک سو سال سے چلی آ رہی تھی اور یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے کی عداوت اور خانہ جنگی کی وجہ سے ختم ہو رہے تھے ـــــ فرمایا کہ ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) یہاں تشریف لائے۔ اس قرآن نے تمہیں آپس میں جوڑا۔ تمہیں بنیانِ مرصوص بنا دیا۔ ورنہ تمہاری کیفیت اور حالت تو یہ تھی: "وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ"۔ "اور تم آگ کے ایک گڑھے کے کنارے تک جا پہنچے تھے" اس میں گر کر تباہ ہو جانے والے تھے "فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا" "تو اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا" بلکہ اس کی ترجمانی یہ ہو گی کہ گویا آگ کے اس گڑھے

سے نکال لیا۔ تم آدھے گر چکے تھے۔ اس نے تمہارا دامن پکڑ کر تمہیں کھینچ لیا۔ اس آیت کا اختتام ہوتا ہے اِن الفاظِ مبارکہ پر: "كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ" یعنی "اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی نشانیاں بیان فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت پاسکو"۔

آگے بڑھنے سے پہلے اگر ہم اس آیۂ مبارکہ میں بیان شدہ تاریخی واقعہ کے حوالے سے ملّتِ اسلامیہ پاکستان کی موجودہ صورتِ حال کا جائزہ لے لیں تو ایک جانب تو یہ حقیقت مزید مبرہن ہو گی کہ قرآن اللہ کا ابدی اور سرمدی کلام ہے جو اگرچہ نازل تو اب سے چودہ سو برس قبل ہوا تھا لیکن اس کی ہدایت و رہنمائی ہمیشہ کے لیے ہے۔ دوسری جانب ہمیں اس آئینۂ قرآنی میں اپنے موجودہ حالات کی سنگینی کا بھی کماحقہٗ اندازہ ہو سکے گا ——— مزید برآں اس امید کی کرن بھی چمکے گی کہ جس طرح اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اُس وقت کی عرب قوم کی کایا پلٹ دی تھی اسی طرح ہمارے حالات میں بھی انقلاب آسکتا ہے بشرطیکہ ہم اس سہ نکاتی لائحہ عمل کو بالفعل اختیار کرلیں جو اِن آیاتِ مبارکہ میں سامنے آرہا ہے!

کون نہیں جانتا کہ پاکستان کا قیام دو قومی نظریے کا مرہونِ منت تھا، جس کی رُو سے پورے برعظیم ہند و پاک کے مسلمان ایک قوم تھے ——— گزشتہ چالیس برس میں بجائے اس کے کہ اِس قوم میں اتحاد و یگانگت کا رنگ گہرا ہوتا اور پاکستان کے مسلمانوں کی یکجہتی پورے عالم اسلام کے مسلمانوں کے اتحاد کا پیش خیمہ بنتی، صورتِ واقعہ یہ ہے کہ خود پاکستان میں مسلمان قوم کہیں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی۔ بلکہ اس کی جگہ متعدد نسلی، لسانی اور صوبائی قومیتوں نے لے لی ہے اور صرف تشتّت و انتشار ہی نہیں، باضابطہ قتل و خونریزی اور لوٹ مار اور آتش زنی کا بازار گرم ہے۔

اِن حالات میں کون سے تعجب کی بات ہے اگر ہمارے دشمن دائیں بائیں گدھوں کی طرح منڈلا رہے ہیں۔ اِس لیے کہ خواہ ہم خود تو حال مست یا مال مست رہیں لیکن اغیار کو تو نظر آرہا ہے کہ ع "یہی ہے مرنے والی اُمتوں کا عالمِ پیری"!

اِن حالات میں آدمی اپنے کاروبار میں اور اپنے ایئر کنڈیشنڈ بنگلہ میں مطمئن اور نچنت ہو کر اور پاؤں پھیلا کر مگن رہے اور حال اس شعر کے مصداق ہو جائے ؎ "اب تو آرام سے گزرتی ہے ——— عاقبت کی خبر خدا جانے" ——— تو اس طرح وہ خطرات تو نہیں ٹل سکتے جو ہمارے

سروں پر منڈلا رہے ہیں اور ـــــ اگر ہم کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرلیں جو بلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کرلیتا ہے اس سے خطرہ تو ٹل نہیں جاتا۔ اگر ہمارے یہی لچھن رہے کہ "اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا" (الانشقاق:۱۳) ہم اپنے اہل وعیال، اپنے کاروبار، اپنے عیش وآرام ہی میں مگن رہیں تو دوسری بات ہے لیکن اگر حالات کو چشم بصیرت سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اس آیت مبارکہ کے یہ الفاظ، ہماری موجودہ کیفیات پر بالکل منطبق ہو رہے ہیں کہ: "وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ"۔ اس لیے کہ جیسے کہ عرض کیا جا چکا ہے قرآن مجید ہمارے لیے ابدی رہنمائی لے کر آیا ہے۔ لہٰذا قرآن حکیم میں تدبر کے نتیجہ میں ہر قسم کے حالات، کیفیات اور واقعات کے لیے ہمارے سامنے عملی رہنمائی آجاتی ہے۔ جیسے ہم ختم قرآن کی دعا میں کہتے ہیں: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا اِمَامًا وَّ نُوْرًا وَّهُدًى وَّرَحْمَةً "اے اللہ اس قرآن کو ہمارا امام بنادے، اسے ہمارے لیے نور بنادے، اسے ہمارے لیے رہنمائی بنادے، اسے ہمارے لیے رحمت بنادے"، لیکن یہ صرف کہنے سے تو نہیں ہوگا۔ اس قرآن کو مضبوطی کے ساتھ تھامنا، اس قرآن کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر کرنا۔ یہ ہے اس لائحہ عمل کا دوسرا نکتہ جو ان آیات مبارکہ کے مطالعہ کے حاصل کے طور پر ہمارے سامنے آیا ہے۔

گویا ـــ پہلا نکتہ ہے تقویٰ اور اسلام۔ اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ یعنی اللہ کی نافرمانی سے بچنا۔ طبعًا اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے بچنا بھی شامل ہے چونکہ رسول کے احکام درحقیقت اللہ ہی کے احکام ہوتے ہیں اور رسول کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہوتی ہے بفحوائے ارشادات ربانیہ: "مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ" (النساء: ۸۰) اور "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ" (النساء: ۶۴) اور "اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ" (النساء: ۵۹) اور اسلام سے مراد ہے فرماں برداری۔ پوری زندگی میں اور ہر لمحہ، ہر لحظہ: وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ!

اور ـــــ دوسرا نکتہ ہے: اعتصام بالقرآن ـــــ "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا"۔ پورے قرآن کو مل جل کر مضبوطی سے تھامنا اور اس کے بارے میں تفرقہ میں نہ پڑنا۔ رہی یہ بات کہ 'اعتصام بالقرآن' سے مراد کیا ہے تو الحمدللہ اس موضوع پر راقم کا

ایک کتابچہ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق، لاکھوں کی تعداد میں اردو، انگریزی، عربی، فارسی اور سندھی میں طبع ہو کر کم از کم عالم اسلام کے طول و عرض میں پھیل چکا ہے جس کا لبِ لباب یہ ہے کہ ہر مسلمان پر حسبِ صلاحیت و استعداد قرآن کے پانچ حقوق عائد ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن پر اپنے ایمان اور یقین کو مزید گہرا اور پختہ کرے۔ دوسرے یہ کہ اس کی تلاوت کرے جیسے کہ اس کی تلاوت کا حق ہے، تیسرے یہ کہ اس کو سمجھے اور اس پر غور و فکر کرے جیسے کہ اس پر تدبر کا حق ہے۔ چوتھے یہ کہ اس پر عمل کرے، اپنی انفرادی زندگی میں فی الفور اور اس کے عطا کردہ قانون و آئین کے نفاذ اور نظامِ عدل و قسط کے قیام کی اجتماعی جدوجہد میں بھرپور حصہ لے کر، اور پانچویں یہ کہ اس کو دوسروں تک پہنچائے اور اس کے لیے بہترین مساعی کو بروئے کار لائے۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر مسلمان اس طور پر قرآن کے ساتھ اپنے تعلق کی تجدید کر لیں تو اس سے ان کے اندر ذہنی و جذباتی ہم آہنگی اور مقصد اور نصب العین کی یکجہتی پیدا ہو گی جس سے تشتت و انتشار کی موجودہ کیفیت کافور ہو جائے گی اور مسلمان از سرِ نو بنیانِ مرصوص بن جائیں گے ــــ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ایک زندہ حقیقت بن کر سامنے آجائے گا کہ "اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتٰبِ اَقْوَامًا وَ یَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ" (مسلمؒ عن عمرؓ) یعنی "اللہ اس قرآن کا دامن تھامنے کے باعث قوموں کو سربلندی عطا فرمائے گا اور اس کو پسِ پشت ڈالنے والی قوموں کو ذلیل و خوار کرے گا" جس کی بہترین تعبیر علامہ اقبال نے اپنے الہامی اشعار میں کی ہے کہ ؎

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی
شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی
اے چو شبنم بر زمیں افتندہ
در بغل داری کتابِ زندہ

ــــ یعنی اے امتِ مسلمہ درحقیقت تو قرآن سے دوری کے باعث ذلیل و خوار ہوتی ہے۔ اس ضمن میں گردشِ دوراں کا شکوہ بے بنیاد ہے ــــ اور اے وہ قوم جو زمین پر شبنم کے مانند

گری ہوتی ہے (جسے اغیار پامال کر رہے ہیں) تیری بغل میں اب بھی زندہ کتاب یعنی قرآن مجید موجود ہے۔

الغرض یہ ہیں وہ دو نکات جن پر عمل پیرا ہونے سے ایک انسان انفرادی طور پر ایک بندۂ مومن بنتا ہے اور پھر ان افراد کے مجموعے سے ایک مضبوط اجتماعیت وجود میں آتی ہے اس کے بعد یہ سوال سامنے آتا ہے کہ اس اجتماعیت کے لیے لائحہ عمل کون سا ہے؟ تو اس کا بیان اگلی آیت میں آرہا ہے اور حسنِ اتفاق سے یہ اجتماعی لائحہ عمل بھی تین نکات ہی پر مشتمل ہے۔

نکتۂ سوم : اجتماعی لائحہ عمل

اب تیسری آیت پر اپنی توجہات کو پوری طرح مرکوز فرمایئے۔ آیتِ مبارکہ ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

اس آیتِ مبارکہ پر غور و فکر کرنے سے قبل بطورِ مقدمہ ایک اہم بات ذہن نشین فرمالیں ہم نے اب تک ان دو آیات کا مطالعہ کیا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ..... الخ۔ ان کے مطالعہ سے یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ یہاں جو ہدایات دی گئی ہیں وہ ایک اجتماعیت کی متقاضی ہیں اور ان پر اگر خلوص و اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ واقعۃً عمل کیا جائے تو اس کے نتیجہ میں لازماً ایک "اجتماعیت" وجود میں آتی ہے۔ اب آپ سے آپ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ اجتماعیت کس مقصد کے لیے درکار ہے؟ ظاہر بات ہے کہ ہر کام کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ آپ کوئی چھوٹی سی انجمن بناتے ہیں تو اس کے اغراض و مقاصد اور قواعد و ضوابط بنائے جاتے ہیں۔ لہٰذا غور طلب بات یہ ہے کہ "حبل اللہ" سے جڑ کر جو جمعیت وجود میں آئے گی اس کا مقصد کیا ہوگا؟

یہ ہے وہ بات جس کی اس آیت میں وضاحت فرمائی گئی کہ: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ اِس آیت کے دو ترجمے کیے گئے ہیں۔ بعض کے نزدیک یہاں "مِنْ" بیانیہ ہے اور بعض کے نزدیک تبعیضیہ ہے۔ یہ دونوں لغوی اصطلاحات ہیں۔ اِن پر فنّی بحث کی بجائے اِن سے ترجمہ میں جو فرق واقع ہوتا ہے اسے سمجھنا چاہیے۔ مقدم الذکر تاویل کے اعتبار سے ترجمہ یہ ہوگا "تم سے ایک ایسی اُمّت وجود میں آنی چاہیے"۔ اور اگر یہاں مِنْ کو تبعیضیہ سمجھا جائے تو ترجمہ ہوگا "تم میں سے ایک ایسی اُمّت بھی وجود میں آنی چاہیے"۔ میرے نزدیک یہ دونوں ترجمے صد فیصد درست ہیں۔ مسلمانوں میں اشتراک و اتحاد ہو اور وہ سب مل کر ایک اُمّت بن جائیں جن کا کام کیا ہو— يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ یہ تو ہو جائے گی اس ترجمہ کی وضاحت کہ "تم سے ایک ایسی اُمّت وجود میں آنی چاہیے جو یہ کام کرے"۔ لیکن چونکہ اس مضمون کی آیت اسی سورۃ آل عمران میں آگے موجود ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط "تم سب اُمّتوں میں سے بہتر ہو جو لوگوں کے لیے بھیجی گئیں۔ اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو"۔ لہٰذا اکثر مفسّرین کی رائے میں یہاں 'مِنْ' بیانیہ نہیں بلکہ تبعیضیہ ہے۔ یعنی اگر صورتِ حال یہ ہو جائے کہ پُوری اُمّت سو گئی ہو، پُوری اُمّت کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہ رہا ہو، پُوری اُمّت اپنے فرضِ منصبی کو فراموش کر چکی ہو تو اس صورت میں کیا ہونا چاہیے۔

آگے بڑھنے سے قبل بطور جملہ معترضہ ایک بات عرض کرنی ہے۔ بات اگرچہ تلخ ہے لیکن ہے امرِ واقعہ! اور وہ یہ کہ اگرچہ نظری طور پر ہم دنیا کے تمام مسلمانوں پر اُمّتِ مسلمہ کے لفظ کا اطلاق کرتے ہیں لیکن فی الحقیقت کوئی ایک اُمّتِ مسلمہ اس وقت دنیا میں وجود نہیں رکھتی۔ فی الواقع یہاں بے شمار قومیں ہیں جن کو مسلم اقوام (MUSLIM NATIONS) کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ علامہ اقبال کے بارے میں ہر شخص جانتا ہے کہ اِس صدی میں وحدتِ ملّی کا ان سے بڑا صدی خواں کوئی نہیں تھا۔

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا　　مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا!

اور

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے　　نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

لیکن اِس صدی کے وحدتِ ملّی کے سب سے بڑے حدی خواں یعنی علاّمہ اقبال کو بھی اپنے لیکچرز "تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ" میں یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ اِس وقت دنیا میں کوئی اُمّتِ مسلمہ ایک اکائی اور اتحاد کے اعتبار سے موجود نہیں ہے ـــــ بلکہ حقیقی یعنی DE-FACTO پوزیشن یہ ہے کہ "مسلمان اقوام" (MUSLIM NATIONS) موجود ہیں اور یہ بھی آج سے نصف صدی سے پہلے کی بات تھی۔ اغلباً علاّمہ کے لیکچرز ۱۹۳۰ء کے ہیں۔ اب تو صورتِ حال مزید خراب ہو کر نوبت بایں جا رسید کہ کسی مسلمان ملک میں ایک "قوم" (NATION) نہیں رہی بلکہ وہ بھی کئی قومیتوں کے اندر منقسم ہے۔ دنیا میں پاکستانی ایک قوم شمار کیے جاتے ہیں۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ صوبوں کی بنیاد پر یہاں پانچ قومیتوں کے تصوّر کو شروع ہی سے اُبھارا جاتا رہا ہے۔ جس کے نتیجہ میں مشرقی پاکستان بنگلہ قومیت کی بنیاد پر بنگلہ دیش بن گیا اور غیر بنگالی مسلمانوں کو وہاں تہ تیغ کیا گیا۔ پھر اِس موجودہ پاکستان میں کوئی صوبہ بھی ایسا نہیں ہے جو یہ کہہ سکے کہ اس کے اندر صرف ایک قوم آباد ہے۔ کیا بلوچستان میں جہاں بلوچ ہیں وہاں بروہی نہیں ہیں! کیا وہاں پٹھان موجود نہیں ہیں، کم از کم تین بڑی قومیں اس ایک صوبے کے اندر بستی ہیں۔ یہی معاملہ پاکستان کے بقیہ صوبوں کا ہے ـــــ!! اور تو اور ایک عربی زبان بولنے والے عرب نہ معلوم کتنی قومیتوں میں منقسم ہیں ـــــ تو حقیقت یہی ہے اگرچہ بڑی تلخ ہے کہ آج "ایک اُمّتِ مسلمہ" بالفعل موجود نہیں ہے۔ وہ تو ہمارا صرف ایک ذہنی تصوّر ہے کہ اُمّتِ مسلمہ یا اُمّتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام فی الواقع اپنا وجود رکھتی ہے اور اِس ذہنی تصوّر کی بنیاد اس خیال پر ہے کہ جو بھی حضورؐ کا کلمہ پڑھتا ہے وہ حضورؐ کا اُمتی ہے! یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے لیکن غور کیجئے کہ کیا یہ امت مربوط ہے؟ کیا اس کی کوئی اجتماعیت ہے؟ کیا اِس میں کوئی ڈسپلن ہے؟ کیا اس میں کوئی کسی کا حکم سننے اور ماننے والا ہے؟ مجھے افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ ایسی صورتِ حال موجود نہیں ہے۔ آج افغانستان میں روسی فوج افغانوں کا قتلِ عام کر رہی ہے۔ لیکن کیا روسی فوج کے

ساتھ افغان فوج نہیں ہے! کیا وہ اپنے بھائیوں کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگ رہی اور اپنے ہاتھوں اپنے بھائیوں کے گلے نہیں کاٹ رہی! ایران اور عراق کی جو جنگ ہو رہی ہے کیا یہ مسلمان کہلانے والے دو ملکوں کی جنگ نہیں! ستم یہ ہے کہ عراق کی قریباً نصف آبادی اہلِ تشیع پر مشتمل ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ ایران کی غالب اور عظیم ترین اکثریت اہلِ تشیع ہی کی ہے۔ لہٰذا مذہبی اعتبار سے عراق کی نصف کے قریب آبادی ایران کی ہم مذہب ہے لیکن سات سال ہونے کو آئے اور یہ جنگ تاحال جاری ہے اور دونوں اطراف سے شدید مالی و جانی نقصان ہو رہا ہے۔ دوسرے مسلم ممالک کی وہ تمام کوششیں ناکام ہو چکی ہیں جو اس جنگ کو بند کرانے کے لیے کی جا رہی ہیں۔ سُنیوں اور شیعوں کا جو مسلح خونیں تصادم لبنان میں ہوا وہ کسی اخبار بین شخص سے پوشیدہ نہیں ہے! وہ مظالم جو کبھی عیسائی ملیشیا نے مسلمانوں پر ڈھائے تھے، وہی مظالم شیعہ ملیشیا نے فلسطینی پناہ گزینوں کے کیمپوں پر ڈھائے ہیں۔

یہ تمام ہنگامے بتا رہے ہیں کہ ایک اُمّتِ مسلمہ بالفعل کہیں موجود نہیں ہے۔ لہٰذا ان حالات میں یہ آیت خوب سمجھ میں آتی ہے کہ جب پوری امّت سوئی ہوتی ہو، یا مختلف قومیتوں میں بٹی ہوئی ہو یا اس نے مختلف سمتوں کی طرف اپنے اپنے قبلے بنا لیے ہوں تو ایسی صورت میں اس امّت کے اندر کوئی چھوٹی امّت لازماً ایسی وجود میں آنی چاہیے جو اس قرآنی ہدایت پر عمل پیرا ہو جو آیۂ زیرِ بحث میں بیان کی گئی ہے۔ وہ ہدایت کیا ہے؟ اس پر گفتگو ذرا آگے چل کر ہوگی۔ ہو سکتا ہے یہاں بعض لوگ چونکیں کہ یہ بڑی امّت کے دائرے کے اندر "چھوٹی امّت" کا کیا تصور ہے، آپ نے ریاست میں ریاست (STATE WITHIN STATE) یا PARTY WITHIN PARTY کی اصطلاح ضرور سنی ہوگی۔ جو لوگ میری عمر کے ہیں یا مجھ سے بڑے ہیں ان کو معلوم ہوگا کہ کانگریس ایک بہت بڑی پارٹی تھی لیکن اس کا فارورڈ بلاک (FORWARD BLOCK) علیحدہ تھا، جو زیادہ انقلابی طرزِ فکر کے حامل لوگوں پر مشتمل تھا۔ انہوں نے کانگریس میں شامل ہونے کے باوجود سبھاش چندر بوس کی قیادت میں اپنا جداگانہ بلاک بنا رکھا تھا۔ اسی طرح آج جو امّتِ مسلمہ ہے وہ محض ایک نظری حقیقت بن کر رہ گئی ہے، جس کی کوئی واقعاتی حقیقت نہیں ہے۔ تو اس بڑی امّت میں ایک چھوٹی امّت ایسے لوگوں پر مشتمل وجود میں آئے جنہوں نے کسی نہ کسی درجہ

میں اس سیڑھی پر قدم رکھا ہو جس کا حکم پہلی آیت میں آیا تھا۔ یعنی وہ لوگ دولتِ تقویٰ سے مالا مال ہوں ـــــ میں پھر عرض کر دوں کہ تکمیل کا کوئی دعویدار نہیں ہو سکتا۔ جو کمی ہو اسے پُورا کرنے کی وہ مسلسل کوشش کر رہے ہوں ـــــ اور پھر یہ کہ انہوں نے دوسری آیت کا تقاضا بھی کسی قدر پورا کیا ہو یعنی انہوں نے اپنے آپ کو قرآن سے منسلک کر لیا ہو۔ اس طرح وہ باہم ایک دوسرے سے مل کر ایک اجتماعی طاقت وجود میں لائیں۔ اس اجتماعیت کا مقصد کیا ہو! اس کے لیے یہاں تین چیزوں کا تعین کیا گیا!

پہلا مقصد "یَدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ" یعنی دعوت الی الخیر ـــــ نیکی اور بھلائی کی طرف لوگوں کو بلانا۔

دوسرا مقصد ـــــ نیکی اور بھلائی کا حکم "وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ" ـــــ

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ خیر کی دعوت اور خیر کا حکم! کیا یہ ایک ہی چیز ہے جس کا اعادہ کیا جا رہا ہے! معاذ اللہ، قرآن مجید میں کسی ایک ہی مقام پر اس طرح کا اعادہ جو تکرارِ محض کے ضمن میں آئے ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ یہاں ہمیں "دعوت الی الخیر" اور "امر بالمعروف" کے مصداق کا الگ الگ تعین کرنا ہوگا۔ غالب امکان یہ ہے کہ یہاں دعوت الی الخیر سے مراد قرآن کی طرف دعوت ہے۔ چونکہ قرآن کی رُو سے سب سے بڑا خیر خود قرآن مجید ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ سورۂ یونس کی آیات ۵۷ اور ۵۸ میں قرآن مجید نے نہایت پرشکوہ اسلوب سے اپنی عظمت کو بیان کیا ہے۔ مؤخر الذکر آیت کے آخر میں قرآن اپنے متعلق کہتا ہے: "ھُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ" یعنی "یہ جو کچھ جمع کر رہے ہیں وہ (قرآن) ان سب سے بہتر ہے"۔ قرآن مجید دنیوی دولت کو بھی خیر کہتا ہے مثلاً سورۃ العادیات میں فرمایا: "وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ" یعنی "انسان مال و دولت کی محبت میں بہت شدید ہے"۔ لیکن سورۂ یونس میں قرآن اپنے لیے کہتا ہے کہ جو کچھ بھی تم دنیوی مال و اسباب جمع کرتے ہو ان سب سے کہیں قیمتی شے خود قرآن ہے۔ "ھُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ" یہاں دعوت الی الخیر سے مراد ہے قرآن مجید کی طرف دعوت! ـــــ اور امر بالمعروف اب عام ہو جائے گا۔ نیکی، بھلائی، خیر کی تلقین کرنا، اس کی وضاحت کرنا، اس کا مشورہ دینا، اس کا حکم دینا۔ "امر" کے لفظ میں یہ تمام مفاہیم موجود ہیں۔ پہلا امکان اور فرق تو یہ ہے۔

'دعوت الی الخیر' اور 'امر بالمعروف' کے مصداقات میں دوسرا فرق یہ ہے کہ دعوت میں تحکمانہ انداز بالکل نہیں ہوتا۔ دعوت میں صرف تلقین ہوتی ہے، نصیحت ہوتی ہے بلکہ خوشامد بھی ہوتی ہے کہ خدا کے لیے یہ کام بُرا ہے اسے چھوڑ دیجئے اور بھائی یہ کام اچھا ہے، آیئے اور اس کو کیجئے۔ اس انداز اور طریقہ سے آپ لوگوں کو بلاتے ہیں کہ اگر آپ یہ کام کریں گے تو آپ کو آخرت میں یہ اجر و ثواب ملے گا۔ دعوت کا درحقیقت یہی انداز ہوتا ہے۔ اس میں تحکمانہ انداز نہیں ہوا کرتا۔ لہٰذا یہاں علیحدہ کر دیا گیا: "یَدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ" خیر کی طرف بلاؤ، بڑی نرمی سے بلاؤ خیر خواہی کے جذبہ سے بلاؤ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون (علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام) سے فرمایا گیا تھا: "اِذْهَبَا اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى" ۝ دونوں جلیل القدر پیغمبروں کو حکم دیا گیا کہ "فرعون کے پاس جاؤ وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے" فرعون کون ہے! دشمن خدا اور خود خدائی کا مدعی۔ مگر حکم دیا جا رہا ہے کہ "لیکن اس سے نرم انداز سے بات کرنا (سختی کا انداز اختیار نہ کرنا) شاید کہ وہ نصیحت پکڑے اور اس کے دل میں بات اتر ہی جائے" (سورۃ طٰہٰ: ۴۳-۴۴) ——— تو یہ ہے دعوت کا انداز لیکن اس سے آگے کا قدم ہے "امر بالمعروف" یعنی نیکی کا حکم دینا ——— غور کیجئے کہ یہ اصطلاح سب سے پہلے کب وارد ہوئی! سورۃ الحج میں جب اہلِ ایمان کو تمکّن فی الارض کی نوید سنائی گئی:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (الحج: ۴۱)

یعنی "یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں اگر ہم زمین میں تمکّن عطا کر دیں (اقتدار بخش دیں) تو وہ نماز کا نظام قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے" ——— یہاں تحکم کا انداز ہے۔ نیکی کو قوت اور طاقت کے ساتھ رائج کرنا، نافذ کرنا ——— یہ ہے دراصل دعوت سے اگلا قدم!

اب تیسری بات پر آیئے۔ جو بدقسمتی سے ہمارے بہت سے نیک لوگوں کے ذہن سے بھی آج بالکل خارج ہو چکی ہے۔ وہ بات ہے: "نہی عن المنکر" یعنی بدی سے روکنا ——— ہم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ بس بھلائی کی تلقین سے کام چل جائے گا۔ صرف نیکی کا وعظ کہنے سے بات

بن جائے گی۔ حالانکہ میں قرآن مجید کے کم از کم نو ایسے مقامات کا حوالہ دے سکتا ہوں جہاں گاڑی کے دو پہیوں کی طرح یہ دونوں اصطلاحات بالکل ساتھ ساتھ اور جوڑے کی شکل میں آئی ہیں مثلاً: "وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ" یعنی نیکی کا حکم دو اور بدی سے روکو۔ (لقمان: ۱۷) بدی سے روکنا کتنا اہم ہے اس کو دو حدیثوں سے سمجھیے۔ میں وقت کی کمی کے باعث صرف مختصر تشریح پر اکتفا کروں گا ——— یہ دونوں مسلم شریف کی روایات ہیں، صحیح مسلم کا کتب احادیث میں کیا مقام ہے! اِسے بیان کرنے کی میں ضرورت محسوس نہیں کرتا مجھے یقین ہے کہ تمام ذی شعور مسلمان 'صحیح مسلم' کے مقام و مرتبہ سے بخوبی واقف ہوں گے ———

پہلی حدیث کے راوی ہیں حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مجھے توقع ہے کہ یہ حدیث آپ میں سے اکثر نے سنی ہوگی۔ لہٰذا اس کا تو صرف متن کے ساتھ ترجمہ کر دوں گا لیکن دوسری حدیث اس قدر زیادہ عام نہیں ہے۔ حالانکہ اس کے راوی ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔ اور فقہ حنفی دراصل فقہ عبداللہ بن مسعودؓ ہی ہے، اس لیے کہ امام ابوحنیفہؒ دو واسطوں سے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے شاگرد ہیں۔ لہٰذا درحقیقت انہی کی فقہی آرا ہیں کہ جنہوں نے فقہ حنفی کی شکل اختیار کی۔

پہلی حدیث کے راوی ہیں حضرت ابوسعید الخدریؓ۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من رأى منكم منكرا فليغيره بيده" "تم میں سے جو کوئی کسی بُرائی کو دیکھے اُس پر لازم ہے کہ اسے اپنے ہاتھ سے روکے یعنی طاقت سے بدل ڈالے۔" "وان لم يستطع فبلسانه" "لیکن اگر وہ اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو (اُس کے پاس قوت و طاقت نہ ہو) تو اسے زبان سے روکے"، اس کی مذمت کرے، اس پر تنقید کرے گویا "زبان سے اُسے بدلنے کی کوشش کرے۔" "وان لم يستطع فبقلبه" "اور اگر اس کی استطاعت بھی نہ رکھتا ہو" یعنی زبانوں پر بھی قدغنیں لگا دی گئی ہوں، زبانوں پر بھی پہرے ہوں تو 'فبقلبه' "پھر اپنے دل سے" یعنی کم سے کم دل میں ایک گھٹن تو محسوس کرے، قلب میں ایک کرب، صدمہ اور رنج کی کیفیت تو ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آخری کیفیت کے بارے میں فرمایا: "وذلك اضعف الايمان" "یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

اب میں آپ سے اس حدیث پر غور کرنے کی درخواست کرتا ہوں۔ دیکھیے! اس میں

پہلی اہم بات تو یہ ہے کہ اس میں 'امر بالمعروف' کا ذکر موجود ہی نہیں ہے۔ سارا زور 'نہی عن المنکر' پر ہے۔ ایک اسلامی نظامِ حکومت کا فرض ہے کہ قوت و طاقت کے ساتھ منکرات کو روک دے۔ لیکن اگر اسلامی نظامِ حکومت قائم نہیں ہے اور منکرات کو فروغ ہو رہا ہے تو بندۂ مومن پر واجب ہے کہ وہ ڈنکے کی چوٹ حق کی بات کہے، منکرات کے خلاف تنقید کرے، زبان و قلم سے اِن منکرات کو بدلنے کی سعی کرے۔ لیکن ایک شخص کمزور ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اگر میں نے منکرات کے خلاف آواز اٹھائی، زبان کھولی تو اوّل تو معاشرہ ہی میرا استہزا کرے گا، مذاق اُڑے گا پھر ہو سکتا ہے کہ حکومتِ وقت مجھے اس پر قید کر کے جیل میں ٹھونس دے۔ لہٰذا وہ زبان سے کچھ کہنے کی ہمت نہیں پاتا لیکن وہ ان منکرات کے خلاف دل میں چبھن اور گھٹن محسوس کرتا ہے، اِن منکرات پر کڑھتا ہے تب بھی حضورؐ کے ارشاد کے بموجب اس کے دل میں ایمان ہے تو سہی لیکن ہے کمزور ترین ایمان۔ 'اضعف' افعل التفضیل کا صیغہ ہے۔ یعنی ایمان کی کمزوری اپنی آخری حدوں کو چھو رہی ہے۔ چنانچہ اسی مضمون کی دوسری روایت کے آخری حصّہ میں "وذلك اضعف الايمان" کے بجائے یہ الفاظ آئے ہیں کہ "وليس وراء ذلك من الايمان حبة خردل" یعنی اگر ان تین حالتوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے تو ایسا شخص جان لے کہ اس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان موجود نہیں ہے ——— البتہ یہ تینوں کیفیتیں ایسی نہیں ہیں کہ جن کے لیے خارج میں آپ کوئی ضابطہ بنا سکیں بلکہ اس کا سارا معاملہ انسان کے اپنے ایمان و یقین پر ہے۔ اس کے اندر کتنا یقین (CONVICTION) ہے۔ اس کے اندر دین کے لیے کتنی غیرت و حمیت ہے! اس کا دار و مدار اس پر ہے۔ اس لیے کہ کوئی شخص ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اسے ماں کی گالی دی جائے اور وہ چُپ کھڑا رہے۔ اس کا یہ طرزِ عمل غمازی کرتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ اس کے اندر جرأت و ہمّت نہیں ہے بلکہ غیرت و حمیت کا بھی فقدان ہے ——— لیکن کوئی شخص ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اسے ماں کی گالی دی جائے تو اگر اس میں ہمت نہیں ہے، مگر غیرت و حمیت موجود ہے تو کم از کم یہ لازماً ہو کر رہے گا کہ اس کے جسم کا سارا خون اس کے چہرے پر آجائے گا۔ وہ کچھ اور نہیں کر سکے گا تو اپنی جگہ کھڑا ہوا کانپنے لگے گا اور لرزے گا اور دل ہی دل میں انتہائی کرب، صدمہ اور رنج محسوس کرے گا۔ غیرت و حمیت کا کم سے کم تقاضا یہ تو ہر

ایک تسلیم کرے گا کہ اس کا چہرہ سرخ ہو جائے، وہ تھر تھراتے اور دل میں کرب و اضطراب محسوس کرے اور اگر اس میں کوئی دَم بھی ہے، طاقت بھی ہے تو وہ اس شخص کو یونہی جانے نہیں دیگا جس نے اسے ماں کی گالی دی ہے۔

اس مثال سے آپ اس بات کو سمجھئے کہ جن میں اللہ کے دین کی زیادہ غیرت وحمیت ہوگی، وہ اپنی کمزوری کے باوجود ڈٹ جائیں گے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ جیلوں میں ٹھونس دیئے جائیں گے یا پھر یہ کہ لاٹھیوں اور گولیوں کی بوچھاڑ سہنی پڑے گی۔ یا آخری درجہ میں جان کا نذرانہ دینا پڑے گا۔ اس زندگی کا اس سے بہتر مصرف اور کیا ہو سکتا ہے کہ اسے اللہ کی راہ میں کھپا دیا جائے ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی! حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا!

حدیث کا آخری ٹکڑا "وذٰلک اضعف الایمان" یہ بتا رہا ہے کہ اصل مطلوب اور غیرت و حمیتِ دینی کا تقاضا یہ ہے کہ بدی کے خلاف طاقت فراہم کی جائے اور اس کا استیصال کیا جائے

اب دوسری حدیث کی طرف آیئے۔ یہاں اس بات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور زیادہ نکھار کر بیان کیا ہے۔ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ اس کے راوی ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ــــــ وہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ما من نبیٍ بعثہ اللہ فی امۃ قبلی" ــــــ یعنی "مجھ سے پہلے اللہ نے جس اُمّت میں کسی نبی کو مبعوث فرمایا" "اِلّاَ کان لہ فی اُمّتہٖ حواریّون واَصحابٌ" "تو اس کی اُمّت میں اس کے حواری اور اصحاب ہوتے تھے" ــــــ حواری کا لفظ خاص طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے ساتھیوں کے لیے آتا ہے جیسے: "قال الحواریون نحن انصار اللہ"۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے لیے صحابہ یا اصحاب کا لفظ آتا ہے۔ حضورؐ نے یہاں دونوں الفاظ یعنی حواریوں اور اصحاب کو جمع کر لیا ــــــ وہ کیا کرتے تھے؟ "یأخذون بسنتہ ویقتدون بامرہ" "وہ اپنے نبی کی سنّت کو مضبوطی سے تھامے رکھتے تھے اور نبی علیہ السّلام کا جو بھی حکم ہوتا تھا اس کی پیروی کرتے تھے" ــــــ "ثم انھا تخلف من بعد ھم خلوف" ــــــ "پھر ان کے بعد ان کے ایسے جانشین آتے تھے جو نالائق

اور ناخلف ہوتے تھے"۔ گویا ایک دو یا تین نسل تک تو معاملہ بڑی حد تک ٹھیک ٹھاک چلتا تھا۔ میں نے ایک دو نسل کیوں کہا! یہ بھی حضورؐ کی ایک حدیث میں آیا ہے "خیر اُمتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم" یعنی میری اُمت کا بہترین دَور میرا دَور ہے پھر ان لوگوں کا جو میرے اصحاب سے ملیں گے پھر ان لوگوں کا جو میرے اصحاب سے ملنے والوں سے ملیں گے۔ ان ادوار کو ہم "قرون مشھود لھا بالخیر" کہتے ہیں گویا حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کا زمانہ بہترین ہے۔ پھر دوسرے نمبر پر تابعین کا زمانہ ہے اور اس کے بعد درجہ ہے تبع تابعین کے عہد کا! ——— اب پھر حدیث زیرِ بحث کی طرف رجوع کیجئے، فرمایا: "ثم اِنّھا تخلف من بعد ھم خلوفٌ" ایک ایک لفظ پر غور کیجئے ——— حضورؐ نے فرمایا "ان کے بعد ان کے ایسے جانشین آجاتے تھے جو ناخلف اور نالائق ہوتے تھے" "یقولون مالا یفعلون" "وہ کہتے تھے جو کچھ کرتے نہیں تھے"۔ "ویفعلون مالا یؤمرون"۔ "اور کرتے وہ کام تھے جن کا انہیں حکم نہیں ہوا تھا"——— یہاں اشارہ بدعات کی طرف ہے گویا دین میں نئی نئی چیزیں ایجاد کر لی گئی ہیں، نئے نئے طریقے اختراع کر لیے گئے ہیں۔ یہ اصول پیشِ نظر رکھیے کہ جو بدعت بھی آئے گی وہ کسی نہ کسی سُنّت کو ہٹا کر اس کی جگہ لے گی۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ بدعت آئے اور سُنّت رخصت نہ ہو ——— ان ناخلف اور نالائق جانشینوں کے متعلق حضورؐ نے بڑا خوبصورت اور جامع پیرایۂ بیان اختیار فرمایا۔ "یقولون مالا یفعلون ویفعلون مالا یؤمرون" ——— آگے بڑھنے سے قبل پہلے تو یہ غور کیجئے کہ ہم کس دَور میں ہیں! آیا ہم اُس دَور میں بس رہے ہیں جس کا ذکر پہلے کیا گیا یا اُس میں جس کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے۔ اب تو پندرھویں صدی ہجری شروع ہو چکی ہے۔ جبکہ دَورِ صحابہؓ کے بعد چوتھی ہی نسل سے بالکل ابتدائی درجے میں وہ بات شروع ہو چکی تھی ——— جس کے متعلق مشہور تبع تابعی، محدّث اور اپنے دَور کے عالم باعمل اور مجاہد فی سبیل اللہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے اپنے اس شعر میں رہنمائی کی ہے:

وما افسد الدین اِلاّ الملوک　　　واحبارُ سوءٍ ورھبانُھا

یعنی دین میں جو خرابی بھی آتی ہے وہ تین اطراف سے آتی ہے ——— بادشاہوں کی طرف سے،

علماءِ سوء یعنی بُرے علماء کی طرف سے اور بُرے صوفیوں کی طرف سے! ایک تو علماءِ حقانی ہیں جو واقعی اللہ کے دین کو عام کرتے ہیں۔ اس پر خود بھی چلتے ہیں اور لوگوں کو بھی چلاتے ہیں۔ ایک وہ اللہ والے صوفیاء ہیں جو اللہ ہی کے راستے پر چلنے اور چلانے والے ہیں لیکن اس بازار میں تو ہر طرح کے لوگ موجود ہیں۔ جہاں علماءِ حقانی ہیں وہاں علماءِ سوء بھی ہیں۔ جہاں دین و شریعت پر عامل صوفیاء ہیں وہاں دنیادار اور ظاہر دار صوفی بھی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی تشخیص کے مطابق دین میں خرابی ان تین اطراف سے آتی ہے اور انہوں نے ان خرابیوں کا بنفسِ نفیس کسی قدر مشاہدہ کیا ہوگا جب ہی تو یہ تشخیص کی تھی۔ تو اندازہ کیجئے کہ ہم تو پندرہویں صدی میں بیٹھے ہیں تو خرابیوں کے اعتبار سے ہم کس مقام پر ہیں! ——— آگے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "فمن جاھدھم بیدہ فھو مؤمن" جو کوئی ایسے ناخلف لوگوں سے جہاد کرے گا اپنے ہاتھ سے پس وہ مؤمن ہے "ومن جاھدھم بلسانہ فھو مؤمن" اور جو ایسے لوگوں سے جہاد کرے گا اپنی زبان سے پس وہ مؤمن ہے "ومن جاھدھم بقلبہ فھو مؤمن" اور جو ایسے نالائقوں کے خلاف اپنے دل سے جہاد کرے گا یعنی ان کے افعال پر اپنے دل میں کرب اور صدمہ محسوس کرے گا اور مضطرب اور بے چین رہے گا پس وہ بھی مؤمن ہے ——— اور آخر میں حضورؐ نے فرمایا: "ولیس وراء ذٰلک من الایمان حبۃ خردل" اور اس کے بعد تو ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں ہے حضورؐ کے اس ارشاد کے آخری حصے پر غور کیجئے! یہ لرزہ طاری کر دینے والی وعید ہے۔ اگر ان تین حالتوں میں سے کوئی بھی موجود نہیں ہے تو الصادق والمصدوق، شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کے ایمان کی نفی فرما رہے ہیں۔ یہ واضح رہے کہ یہاں حقیقی ایمان کی نفی مراد ہے قانونی طور پر نفی نہیں ہے اور یہ دل کا معاملہ ہے۔ ظاہر بات ہے کہ دل اور نیت کے معاملات کے متعلق اس دنیا میں کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ یہ فیصلہ تو آخری عدالت میں ہوگا، جس کے متعلق سورۃ التغابن میں فرمایا: "ذٰلک یوم التغابن" یعنی "آخرت کا دن ہے اصل ہار جیت کے فیصلے کا دن" ———

اس حدیث شریف کے ایک اہم نکتہ کی جانب توجہ کیجئے! ——— اس حدیث میں "ھم" کی ضمیر مفعولی انتہائی قابلِ غور ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان ناخلف جانشینوں کے خلاف

جہاد کی تاکید فرما رہے ہیں جو مسندِ اقتدار پر بیٹھ کر منکرات کو فروغ دے رہے ہوں، جن کے طور طریقے منکرات پر مشتمل ہوں، جو ذرائع ابلاغ کو منکرات کی تشہیر و اشاعت کے لیے استعمال کر رہے ہوں، جو ملک بھر میں ایسے تمام اداروں کی دامے، درمے، سخنے سرپرستی کر رہے ہوں، جو منکرات کے فروغ میں دن رات مصروف ہوں۔ جن کی مساعی کی بدولت معروفات معاشرہ میں سسک رہی ہوں اور وہ سنڈاس بن گیا ہو ——— ساتھ ہی ان علماء سوء کے اور ان نام نہاد صوفیاء کے خلاف بھی جہاد کی تاکید اس حدیث میں تبعاً موجود ہے جو مسندِ افتاء و ارشاد پر بیٹھے ان منکرات کو دیکھ رہے ہوں اور نہ صرف مہر بلب بلکہ اقتدارِ وقت کے اعوان و انصار بنے ہوئے ہوں۔

اُمّت کی وحدت اور نصبُ العین

سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۱۰ میں اُمّتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سند عطا فرمائی گئی ہے کہ "تم وہ بہترین اُمّت ہو جسے نوعِ انسانی کے لیے برپا کیا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر پختہ ایمان رکھتے ہو! ——— گویا پوری اُمّت مسلمہ کا مقصدِ وجود ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، اور اصلاً مطلوب یہ ہے کہ پوری اُمّت ایک جسدِ واحد کے مانند ہو اور اس کا اجتماعی نصب العین ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بن جائے، پھر یہ بھی جانی پہچانی حقیقت ہے کہ جہاں اجتماعیت میں زیادہ سے زیادہ اتحاد و یگانگت سے نصب العین کی جانب پیش قدمی میں مزید شدت و قوت پیدا ہوتی ہے، وہاں نصب العین کے ساتھ زیادہ سے زیادہ قلبی و جذباتی وابستگی بجائے خود اجتماعیت کو مزید تقویت و استحکام بخشنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اور اس طرح قدم آگے سے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ مطلوبہ اور مثالی و معیاری کیفیت ہمیشہ برقرار نہیں رہتی۔ جیسا کہ خود اُمّتِ مسلمہ کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ تین یا چار نسلوں تک تو یہ کیفیت برقرار رہی لیکن اس کے بعد نصب العین سے وابستگی میں ضعف پیدا ہونا شروع ہو گیا اور اس کے نتیجے میں اُمّت کی وحدت اور یگانگت میں بھی دراڑیں پیدا ہونی شروع ہو گئیں۔ تا آنکہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ امّتِ واحدہ

کا تصوّر تو صرف ذہنوں میں باقی رہ گیا ہے۔ بالفعل اس وقت دنیا میں ایک امّتِ مسلمہ کی بجائے بے شمار مسلمان اقوام اور قومیتیں موجود ہیں۔

قرآنِ حکیم چونکہ ایک ابدی ہدایت نامہ ہے، لہٰذا اس نے ایسی صورتِ حال کے لیے بھی پیشگی ہدایت عطا فرما دی تھی جو اسی سورۂ مبارکہ کی آیت نمبر ۱۰۴ میں وارد ہوئی ہے، جس پر تفصیلی گفتگو صفحاتِ گزشتہ میں ہو چکی ہے اور جس کا خلاصہ اور لُبِّ لباب یہ ہے کہ اس منتشر اور خوابیدہ اُمّت میں سے جو لوگ جاگ جائیں اور انہیں اپنے اجتماعی فرائض کا شعور و ادراک حاصل ہو جائے وہ باہم جمع ہوں اور مِل جُل کر اُس خیالی و تصوّراتی اور خوابیدہ و معطّل امّت کے دائرے کے اندر اندر ایک چھوٹی مگر فعّال اور منظّم اُمّت وجود میں لائیں جو اس اجتماعی نصب العین کی جانب پیش قدمی شروع کر دے۔ پھر جیسے جیسے نشانِ منزل نمایاں ہوتا جائے گا زیادہ سے زیادہ لوگ اس قافلے میں شامل ہوتے چلے جائیں گے اور وہ صورت عملاً پیدا ہو جائے گی کہ ؎

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
راہرو ملتے گئے اور قافلہ بنتا گیا!

تا آنکہ پُوری اُمّت مسلمہ کو اپنا بھولا ہوا سبق یاد آ جائے گا اور وہ نقشہ بالفعل نگاہوں کے سامنے آ جائیگا جس کا خواب نصف صدی پیشتر حکیم الاُمّت علاّمہ اقبال مرحوم و مغفور نے دیکھا تھا یعنی :

آسماں ہوگا سحر کے نُور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک
بزمِ گُل کی ہم نفس بادِ صبا ہو جائے گی

پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجُود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

اب اصلاً تو ہمیں آگے بڑھ کر اس امر پر غور کرنا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نبوی طریقِ کار کیا ہے، اور اس کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا حکمتِ عملی اختیار فرمائی تھی۔ اس لیے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایک حکیمانہ قول کے مطابق جسے امام مالکؒ نے زندۂ جاوید

بنا دیا اس اُمت کے آخری حصّے کی اصلاح اور تعمیر نو صرف اِسی طریق پر ممکن ہے جس پر اس کے پہلے حصّے کی اصلاح ہوئی تھی ——— لیکن اس سے قبل ——— اُمتِ مسلمہ کے اتحاد کی اہمیت اور اس کے اجتماعی نصب العین کی وضاحت کے ضمن میں امیرِ تبلیغ مولانا محمد یوسفؒ کی زندگی کی آخری تقریر سے نہایت اہم اور ایمان افروز اقتباس پیش کیا جاتا ہے تاکہ موضوع کی اہمیت مزید نکھر کر سامنے آجائے اور خاص طور پر یہ امر پوری طرح مبرہن ہو جائے کہ مسلمانوں کے اُمت ہونے کی اہمیت کیا ہے جس کے لیے مولانا موصوفؒ نے دہلی اور اس کے گرد و نواح کے محاورے کے مطابق 'اُمت بنا' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

واضح رہے کہ مولانا محمد یوسفؒ سلسلۂ تبلیغ کے بانی اور مؤسس مولانا محمد الیاسؒ کے فرزند ارجمند اور ہر اعتبار سے خلف الرشید تھے اور انہوں نے اپنے والد بزرگوارؒ کے انتقال کے بعد جس طرح ان کے جاری کردہ مشن ہی کے لیے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اور اپنی قوتوں اور توانائیوں کی آخری رمق تک وقف کر دی تھی، وہ بہت سے دین کے خادموں اور اُن کی اولاد کے لیے قابلِ رشک بھی ہے اور قابلِ تقلید بھی۔ انہوں نے اپنے انتقال سے صرف تین دن قبل یعنی ۳۰ مارچ ۱۹۶۵ء کو بعد نماز فجر رائے ونڈ کے مرکزِ تبلیغ میں تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فرمودات شیخ طریقت حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ

"دیکھو میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ساری رات مجھے نیند نہیں آئی اس کے باوجود ضروری سمجھ کے بول رہا ہوں، جو سمجھ کے عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے چمکائے گا، ورنہ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارے گا۔

یہ اُمت بڑی مشقت سے بنی ہے۔ اس کو اُمت بنانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے بڑی مشقتیں اٹھائی ہیں اور اُن کے دشمن یہود و نصاریٰ نے ہمیشہ اس کی کوششیں کی ہیں کہ مسلمان ایک اُمت نہ رہیں بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہوں، اب مسلمان اپنا اُمت بنا (یعنی اُمت ہونے کی صفت) کھو چکے ہیں۔ جب تک یہ اُمت بنے ہوتے تھے، چند لاکھ ساری دنیا پر بھاری تھے۔ ایک پکا مکان نہیں تھا، مسجد تک پکی نہیں تھی، مسجد میں چراغ

تک نہیں جلتا تھا، مسجدِ نبویؐ میں ہجرت کے نویں سال چراغ جلا ہے۔ سب سے پہلا چراغ جلانے والے تمیم داریؓ ہیں، وہ ۹ھ میں اسلام لائے ہیں اور ۹ھ تک قریب قریب سارا عرب اسلام میں داخل ہو چکا تھا۔ مختلف قومیں، مختلف زبانیں، مختلف قبیلے ایک اُمت بن چکے تھے۔ تو جب یہ سب کچھ ہو گیا اس وقت مسجدِ نبویؐ میں چراغ جلا، لیکن حضورؐ جو نورِ ہدایت لے کر تشریف لائے تھے وہ پورے عرب میں بلکہ اس کے باہر بھی پھیل چکا تھا اور اُمت بن چکی تھی۔ پھر یہ اُمت دنیا میں اُٹھی۔ جدھر کو نکلی ملک کے ملک پیروں میں گرے۔ یہ امت اس طرح بنی تھی کہ ان کا کوئی آدمی اپنے خاندان، اپنی برادری، اپنی پارٹی، اپنی قوم، اپنے وطن، اپنی زبان کا حامی نہ تھا۔ مال و جائیداد اور بیوی بچوں کی طرف دیکھنے والا بھی نہ تھا۔ بلکہ ہر آدمی صرف یہ دیکھتا تھا کہ اللہ اور رسولؐ کیا فرماتے ہیں۔ امت جب ہی بنتی ہے جب اللہ اور رسولؐ کے حکم کے مقابلے میں سارے رشتے اور تعلقات کٹ جائیں۔ جب مسلمان ایک اُمت تھے تو ایک مسلمان کے کہیں قتل ہو جانے سے ساری امت ہل جاتی تھی۔ اب ہزاروں لاکھوں گلے کٹتے ہیں اور کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔

امت کسی ایک قوم اور ایک علاقے کے رہنے والوں کا نام نہیں ہے بلکہ سینکڑوں ہزاروں قوموں اور علاقوں سے جُڑ کر امت بنتی ہے۔ جو کسی ایک قوم اور ایک علاقے کو اپنا سمجھتا ہے اور دوسروں کو غیر سمجھتا ہے وہ امت کو ذبح کرتا ہے۔ اور اُس کے ٹکڑے کرتا ہے اور حضورؐ اور صحابہؓ کی محنتوں پر پانی پھیرتا ہے۔ اُمّت کو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پہلے خود ہم نے ذبح کیا ہے۔ یہود و نصاریٰ نے تو اس کے بعد کٹی کٹائی امت کو کاٹا ہے۔ اگر مسلمان اب پھر امت بن جائیں تو دنیا کی ساری طاقتیں بھی مل کر اُن کا بال بیکا نہیں کر سکیں گی۔ ایٹم بم اور راکٹ ان کو ختم نہیں کر سکیں گے، لیکن اگر وہ قومی اور علاقائی عصبیتوں کی وجہ سے باہم امت کے ٹکڑے کرتے رہے تو خدا کی قسم تمہارے ہتھیار اور تمہاری فوجیں تم کو نہیں بچا سکیں گی۔

مسلمان ساری دنیا میں اس لیے پٹ رہا اور مر رہا ہے کہ اُس نے امت بننے کو ختم کر کے حضورؐ کی قربانی پر پانی پھیر دیا ہے۔ میں یہ دل کے غم کی باتیں کہہ رہا ہوں۔ ساری تباہی

اس وجہ سے ہے کہ اُمت اُمت نہ رہی بلکہ یہ بھی بھول گئے کہ امت کیا ہے اور حضورؐ نے کس طرح امت بنائی تھی؟

امت ہونے کے لیے اور مسلمانوں کے ساتھ خدائی مدد ہونے کے لیے صرف یہ کافی نہیں ہے کہ مسلمانوں میں نماز ہو، ذکر ہو، مدرسہ ہو، مدرسہ کی تعلیم ہو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل ابن ملجم ایسا نمازی اور ذاکر تھا کہ جب اس کو قتل کرتے وقت غصہ میں بھرے لوگوں نے اس کی زبان کاٹنی چاہی تو اُس نے کہا سب کچھ کر لو لیکن میری زبان مت کاٹو تاکہ زندگی کے آخری سانس تک میں اس سے اللہ کا ذکر کرتا رہوں۔ اس کے باوجود حضورؐ نے فرمایا کہ علیؓ کا قاتل میری امت کا سب سے زیادہ شقی اور بدبخت ترین آدمی ہوگا۔ اور مدرسہ کی تعلیم تو ابوالفضل اور فیضی نے بھی حاصل کی تھی اور ایسی حاصل کی تھی کہ قرآن پاک کی تفسیر بے نقط لکھ دی۔ حالانکہ انہوں نے ہی اکبر کو گمراہ کر کے دین کو برباد کیا تھا۔ تو جو باتیں ابن ملجم اور ابوالفضل اور فیضی میں تھیں وہ اُمت بننے کے لیے اور خدا کی غیبی نصرت کے لیے کیسے کافی ہو سکتی ہیں؟

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ اور اُن کے ساتھی دینداری کے لحاظ سے بہترین مجموعہ تھے۔ وہ جب سرحدی علاقے میں پہنچے اور وہاں کے لوگوں نے ان کو اپنا بڑا بنا لیا تو وہاں کے کچھ مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات آگئی کہ یہ دوسرے علاقے کے لوگ، ان کی بات یہاں کیوں چلے۔ اُنہوں نے ان کے خلاف بغاوت کرائی۔ ان کے کتنے ہی ساتھی شہید کر دیئے گئے۔ اور اس طرح خود مسلمانوں نے، علاقائی بنیاد پر امت بننے کو توڑ دیا۔ اللہ نے اس کی سزا میں انگریزوں کو مسلط کیا۔ یہ خدا کا عذاب تھا۔

یاد رکھو، میری قوم اور میرا علاقہ اور میری برادری یہ سب امت کو توڑنے والی باتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یہ باتیں اتنی ناپسند ہیں کہ حضرت سعدؓ بن عبادہ جیسے بڑے صحابی سے اس بارے میں جو غلطی ہوئی (جو اگر دب نہ گئی ہوتی تو اس کے نتیجے میں انصار اور مہاجرین میں تفریق ہو جاتی) اس کا نتیجہ حضرت سعدؓ کو دنیا ہی میں بھگتنا پڑا۔ روایات میں یہ ہے کہ ان کو جنات نے قتل کر دیا اور مدینہ میں یہ آواز سنائی دی اور بولنے والا کوئی نظر نہ آیا۔

قتلنا سيد الخزرج سعد بن عباده
رميناه بسهم فلم يخط فواده

(ہم نے قبیلۂ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو ہلاک کر دیا۔ ہم نے اس کو تیر کا نشانہ بنایا جو ٹھیک اس کے دل پر لگا) اس واقعہ نے ثابت کر دیا اور سبق دیا کہ اچھے سے اچھا آدمی بھی اگر قومیت یا علاقے کی بنیاد پر امت بننے کو توڑے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو توڑ کر رکھ دیگا۔

امت جب بنے گی جب امت کے سب طبقے بلاتفریق اُس کام میں لگ جائیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دے کے گئے ہیں اور یاد رکھو امت بننے کو توڑنے والی چیزیں معاشرت اور معاملات کی خرابیاں ہیں۔ ایک فرد یا طبقہ جب دوسرے کے ساتھ ناانصافی اور ظلم کرتا ہے اور اس کا پورا حق اس کو نہیں دیتا یا اس کو تکلیف دیتا ہے یا اس کی تحقیر اور بے عزتی کرتا ہے تو تفریق پیدا ہوتی ہے اور امت بنا ٹوٹتا ہے' اس لیے میں کہتا ہوں کہ صرف کلمہ اور تسبیح سے امت نہیں بنے گی بلکہ جب بنے گی جب دوسروں کے لیے اپنا حق اور اپنا مفاد قربان کیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنا سب کچھ قربان کر کے اور اپنے پر تکلیفیں جھیل کے اس امت کو امت بنایا تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک دن لاکھوں کروڑوں روپے آئے۔ ان کی تقسیم کا مشورہ ہوا۔ اُس وقت امت بنی ہوئی تھی۔ یہ مشورہ کرنے والے کسی ایک ہی قبیلے یا ایک ہی طبقے کے نہ تھے بلکہ مختلف طبقوں اور قبیلوں کے وہ لوگ تھے' جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے اعتبار سے بڑے اور خواص سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے مشورے سے باہم طے کیا کہ تقسیم اس طرح پر ہو کہ سب سے زیادہ حضورؐ کے قبیلے والوں کو دیا جائے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے قبیلے والوں کو، پھر حضرت عمرؓ کے قبیلے والوں کو۔ اس طرح حضرت عمرؓ کے اقارب تیسرے نمبر پر آئے۔ جب یہ بات حضرت عمرؓ کے سامنے رکھی گئی تو آپ نے اس مشورے کو قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ اس امت کو جو کچھ ملا ہے اور مل رہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اور آپؐ کے صدقہ میں مل رہا ہے، اس لیے بس حضورؐ کے تعلق کو ہی معیار بنایا جائے۔ جو نسب میں آپ کے زیادہ قریب ہوں ان کو زیادہ دیا جائے۔

جو دوم، سوم، چہارم نمبر ہوں ان کو اسی نمبر پر رکھا جائے۔ اس طرح سب سے زیادہ بنی ہاشم کو دیا جائے، اس کے بعد بنی عبد مناف کو، پھر قصّی کی اولاد کو، پھر کلاب کو، پھر کعب کو، پھر مرّہ کی اولاد کو۔ اس حساب سے حضرت عمرؓ کا قبیلہ بہت پیچھے پڑ جاتا تھا اور اس کا حصّہ بہت کم ہو جاتا تھا، مگر حضرت عمرؓ نے یہی فیصلہ کیا اور مال کی تقسیم میں اپنے قبیلے کو اتنے پیچھے ڈال دیا۔ اس طرح بنی تھی یہ اُمّت۔

اُمّت بننے کے لیے یہ ضروری ہے کہ سب کی یہ کوشش ہو کہ آپس میں جوڑ ہو، پھوٹ نہ پڑے۔ حضورؐ کی ایک حدیث کا مضمون ہے کہ قیامت میں ایک آدمی لایا جائے گا جس نے دنیا میں نماز، روزہ، حج، تبلیغ، سب کچھ کیا ہوگا، مگر وہ عذاب میں ڈالا جائے گا، کیونکہ اس کی کسی بات نے اُمّت میں تفریق ڈالی ہوگی۔ اُس سے کہا جائے گا کہ پہلے اپنے اس ایک لفظ کی سزا بھگت لے، جس کی وجہ سے اُمّت کو نقصان پہنچا۔ اور ایک دوسرا آدمی ہوگا جس کے پاس نماز، روزہ، حج وغیرہ کی بہت کمی ہوگی اور وہ خدا کے عذاب سے بہت ڈرتا ہوگا، مگر اس کو بہت ثواب سے نوازا جائے گا۔ وہ خود پوچھے گا کہ یہ کرم میرے کس عمل کی وجہ سے ہے۔ اس کو بتایا جائے گا کہ تو نے فلاں موقع پر ایک بات کہی تھی جس سے اُمّت میں پیدا ہونے والا ایک فساد رُک گیا اور بجائے توڑ کے جوڑ پیدا ہو گیا۔ یہ سب تیرے اُسی لفظ کا صلہ اور ثواب ہے۔

اُمّت کے بنانے اور بگاڑنے، توڑنے اور جوڑنے میں سب سے زیادہ دخل زبان کا ہوتا ہے۔ یہ زبان دلوں کو جوڑتی بھی ہے اور پھاڑتی بھی ہے۔ زبان سے ایک بات غلط اور فساد کی نکل جاتی ہے اور اس پر لاٹھی چل جاتی ہے اور پورا فساد کھڑا ہو جاتا ہے اور ایک ہی بات جوڑ پیدا کر دیتی ہے اور پھٹے ہوئے دلوں کو ملا دیتی ہے۔ اس لیے سب سے زیادہ ضرورت اس کی ہے کہ زبان پر قابو ہو اور یہ جب ہو سکتا ہے کہ بندہ ہر وقت اس کا خیال رکھے کہ خدا ہر وقت اور ہر جگہ اس کے ساتھ ہے۔ اور اس کی ہر بات کو سُن رہا ہے۔

مدینہ میں انصار کے دو قبیلے تھے اوس اور خزرج۔ ان میں پشتوں سے عداوت اور لڑائی چلی آ رہی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ پہنچے اور انصار کو اسلام کی

توفیق ملی تو حضورؐ کی، اسلام کی برکت سے ان کی پشتوں کی لڑائیاں ختم ہوگئیں اور اوس و خزرج شیر و شکر ہو گئے۔ یہ دیکھ کر یہودیوں نے اسکیم بنائی کہ کس طرح ان کو پھر سے لڑایا جائے۔ ایک مجلس میں جس میں قبیلوں کے آدمی موجود تھے، ایک سازشی آدمی نے اُن کی پرانی لڑائیوں سے متعلق کچھ شعر پڑھ کے اشتعال پیدا کر دیا۔ پہلے تو زبانیں ایک دوسرے کے خلاف چلیں، پھر دونوں طرف سے ہتھیار نکل آئے۔ حضورؐ سے کسی نے جا کر کہا۔ آپؐ فوراً تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے ہوتے ہوئے تم آپس میں خون خرابہ کرو گے۔ آپ نے بہت مختصر مگر درد سے بھرا ہوا خطبہ دیا۔ دونوں فریقوں نے محسوس کر لیا کہ ہمیں شیطان نے ورغلایا، دونوں روئے اور گلے ملے اور یہ آیتیں نازل ہوئیں:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ "اے مسلمانو! خدا سے ڈرو جیسا اُس سے ڈرنا چاہیے اور مرتے دم تک پورے پورے مسلم اور خدا کے فرماں بردار بندے بنے رہو؛ جب آدمی ہر وقت خدا کا خیال رکھے گا، اُس کے قہر و عذاب سے ڈرتا رہے گا اور ہر دم اُس کی تابعداری کرے گا تو شیطان بھی اُسے نہیں بہکا سکے گا اور اُمت پھوٹ سے اور ساری خرابیوں سے محفوظ رہے گی۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ــــــ

اور اللہ کی رسّی کو یعنی اس کی کتابِ پاک اور اس کے دین کو سب مل کر مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو یعنی پوری اجتماعیت کے ساتھ اور اُمت بننے کی صفت کے ساتھ سب مل جل کر دین کی رسّی کو تھامے رہو اور اُس میں لگے رہو اور قوم کی بنیاد پر یا علاقے کی بنیاد پر یا کسی اور بنیاد پر ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو۔ اور اللہ کے اُس احسان کو نہ بھولو کہ اُس نے تمہارے دلوں کی وہ عداوت اور دشمنی ختم کر کے جو پشتوں سے تم میں چلی آرہی تھی، تمہارے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی اور تمہیں باہم بھائی بھائی بنا دیا اور تم آپس میں لڑتے وقت دوزخ کے

کنارے پر کھڑے تھے، بس گرنے ہی والے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو تھام لیا اور دوزخ سے بچا لیا۔

شیطان تمہارے ساتھ ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ تم میں ایک گروہ ایسا ہو جس کا موضوع ہی بھلائی اور نیکی کی طرف بلانا اور ہر برائی اور ہر فساد سے روکنا ہو ——— وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

امت میں ایک گروہ وہ ہو، جس کا کام اور موضوع ہی یہ ہو کہ وہ دین کی طرف اور ہر قسم کے خیر کی طرف بلائے۔ ایمان کے لیے اور خیر اور نیکی کے راستے پر چلنے کے لیے محنت کرتا رہے۔ نمازوں پر محنت کرے، ذکر پر محنت کرے۔ برائیوں اور معصیتوں سے بچانے کے لیے محنت کرے اور ان محنتوں کی وجہ سے اُمت ایک اُمت بنی رہے۔"

(ماخوذ از "دو خطروں کا علاج" فرمودہ شیخ التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسفؒ، شائع کردہ: افتخار احمد فریدی، سنبھلی گیٹ، مراد آباد۔ انڈیا)

ہر شخص محسوس کر سکتا ہے کہ اس تقریر کا ایک ایک لفظ دل سے نکلا ہے اور اس میں کسی تکلّف اور تصنّع یا آورد کا کوئی شائبہ موجود نہیں ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ آج ملّتِ اسلامیہ پاکستان کو سب سے زیادہ ضرورت اسی سبق کی نہیں ہے جو ان فرمودات میں سامنے آتا ہے! کاش کہ ملّت کے دردمند اصحابِ ثروت اس تقریر کو نہ صرف اُردو بلکہ پاکستان کی جملہ علاقائی زبانوں میں لاکھوں کی تعداد میں طبع کرا کے تقسیم کرائیں۔

نہی عن المنکر کا نبویؐ طریق کار

اب ذرا اپنی توجّہ کو دوبارہ مرتکز فرمایئے صحیح مسلمؒ کی اُن دو روایات کی جانب جن میں نہی عن المنکر یعنی منکرات اور سیئات کے سدِّباب کا تاکیدی حکم بھی وارد ہوا ہے اور اس کے تین مراتب و مدارج کا بھی ذکر ہے۔ ان دونوں حدیثوں کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے:

(۱) "حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی کسی بُرائی کو دیکھے اُس کا فرض ہے کہ اسے ہاتھ سے (یعنی طاقت سے) روک دے، اور اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو زبان سے (منع کرے) اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ پاتا ہو تو (کم از کم) دل سے (نفرت کرے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے!"

(۲) "حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے کوئی ایسا نبی نہیں گزرا جسے اللہ نے کسی اُمت میں مبعوث فرمایا ہو اور اس میں اس کے صحابی اور حواری پیدا نہ فرماتے ہوں جو اس کی سنّت کو مضبوطی سے تھامتے تھے اور اس کے حکم کی پیروی کرتے تھے۔ پھر (ہمیشہ ایسا ہوا کہ) اُن کے بعد ایسے ناخلف لوگ پیدا ہو جاتے تھے جو کہتے وہ تھے جو کرتے نہ تھے اور کرتے وہ تھے جس کا انہیں حکم نہیں ہوتا تھا۔ تو جس کسی نے ایسے لوگوں کے ساتھ ہاتھ سے جہاد کیا وہ مومن ہے، اور جس نے زبان سے جہاد کیا وہ مومن ہے اور جس نے دل سے جہاد کیا وہ مومن ہے، اور اس کے بعد تو ایمان ایک رائی کے دانے کے برابر بھی موجود نہیں ہے!"

اب یہ امر تو ایسا ظاہر و باہر ہے کہ جس کے بارے میں کسی صاحبِ ایمان کو ذرّہ برابر شک و شبہ نہیں ہو سکتا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان تینوں درجوں میں سے بلند ترین ہی کو اختیار فرمایا اور طاقت ہی کے ذریعے منکرات اور سیّئات کا فوری استیصال بھی کیا اور آئندہ کے لیے سدّباب بھی فرمایا لیکن سوال یہ ہے کہ آنحضورؐ نے طاقت کا یہ استعمال کس طریق پر کیا؟

اس سلسلے میں یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ حضورؐ نے طاقت کا استعمال اس طرح نہیں کیا کہ جب آپؐ نے دعوت شروع کی تو بیس پچیس سعید روحیں آپؐ پر ایمان لے آئی تھیں، ان کا ایک چھوٹا سا جتھہ بناتے اور انہیں حکم دیتے کہ رات کی تاریکی میں چھُپ چھپا کر جاؤ اور کعبہ شریف میں رکھے ہوئے سارے بُت توڑ دو۔ ذرا غور فرمائیے کہ حضورؐ ایسا کر سکتے تھے یا نہیں؟ —— یقیناً کر سکتے تھے اور عملاً یہ بالکل ممکن تھا اس لیے کہ وہاں کعبہ کی حفاظت کرنے کے لیے کوئی مسلّح پہرہ نہیں ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ جا کر صحابہ کرامؓ تمام بتوں کو توڑ سکتے تھے۔ یہ مکّہ میں سب سے بڑا منکر

تھا کہ نہیں ہے لیکن حضورؐ نے اسے برداشت کیا۔ کیوں کیا ہے؟ اس لیے کہ صحیح طریق کار یہ ہے کہ پہلے ایک معتدبہ افراد کی ایک جمعیت فراہم کی جائے۔ فدائین اور تربیت یافتہ جاں نثاروں کی ایک جماعت تشکیل دی جائے۔ گویا ایک طاقت فراہم کی جائے۔ یہاں تربیت سے مراد عسکری تربیت نہ لے لیجئے گا۔ اس سے مراد ہے روحانی و اخلاقی تربیت جس کے لیے ہمارے دین کی اصطلاح ہے تزکیہ۔ ایک کام کرنے کے بعد اسے برقرار رکھنا اصل کام ہے۔ ایک مرتبہ کعبہ کے تمام بتوں کو توڑ دینا اصل کام نہیں ہے۔ توڑنے کے بعد توحید کا نظام برقرار رہے اور یہ کام سرانجام دینے والی طاقت قائم رہے۔ جب تک یہ شکل پیدا نہیں ہوگئی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی قدم نہیں فرمایا۔ توحید کی بذریعہ قرآن زبانی دعوت و تبلیغ فرمائی۔ جو لوگ ایمان لائے انہیں منظم کیا۔ ان کی تربیت کی، ان کا تزکیہ فرمایا۔ ان میں قربانی اور ایثار کا مادّہ پیدا کیا۔ ان میں دین کے لیے تن من دھن لگا دینے کا ایک عزم مصمّم پیدا کیا۔ پھر ان کے اندر ایک ڈسپلن پیدا کیا کہ جو حکم دیا جائے مانیں۔ چنانچہ قریباً بارہ برس تک مکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ تھا کہ مسلمانو! تمہارے ٹکڑے بھی کر دیئے جائیں تب بھی تمہیں ہاتھ اُٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ حضرت خبّاب ابن ارت کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا جا رہا ہے لیکن مسلمانوں کو مداخلت کی اجازت نہیں تھی۔ کیا مسلمان بے غیرت تھے؟ معاذ اللہ۔ خاص طور پر جب میں یہ سوچتا ہوں تو مجھ پر جھرجھری طاری ہو جاتی ہے کہ حضرت سمیہؓ کو ابوجہل نے شہید کیا ہے اور کس طرح شہید کیا ہے! کس قدر کمینگی کے ساتھ انہیں ایذائیں پہنچائی ہیں ماں کو جوان بیٹے کے سامنے ننگا کیا ہے۔ پھر مزید جو کچھ کیا ہے میرے قلم پر نہیں آسکتا۔ اور بالآخر جب شہید کیا ہے تو تاک کر اُن کی شرم گاہ میں اس طرح برچھا مارا ہے کہ پُشت سے آر پار ہو گیا تھا۔ یہ سب کچھ مجمع عام میں ہو رہا ہے اور اس وقت تک کم سے کم تیس چالیس مسلمان موجود تھے اور ان میں سے ہر ایک ہزاروں بلکہ لاکھوں کے برابر تھا۔ سوچئے کہ کیا یہ تیس چالیس مسلمان معاذ اللہ بے غیرت تھے! ان لوگوں کو نظر نہیں آرہا تھا کہ ہماری ایک بہن جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھنے والی ہے، اس کے ساتھ ابوجہل یہ بہیمانہ سلوک کر رہا ہے۔ اگر انہیں اجازت ہوتی تو کیا وہ ابوجہل کی تکا بوٹی نہ کر دیتے! لیکن اجازت نہیں تھی۔ کبھی سیرتِ مطہرہ کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ آلِ یاسر جو تین افراد پر مشتمل گھرانہ تھا۔ حضرت یاسرؓ ان کی اہلیہ حضرت سُمیّہ اور ان کے بیٹے عمارؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم،

ان پر ابوجہل نے جو مسلسل ستم ڈھا رکھا تھا تو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سامنے سے گزرتے تھے تو خود تلقین فرماتے تھے: اِصۡبِرُوۡا یَا آلَ یَاسِر فَاِنَّ مَوۡعِدَکُمُ الۡجَنَّۃُ یعنی "اے یاسر کے گھرانے والو! صبر کرو اس لیے کہ تمہارے وعدے کی جگہ جنّت ہے" ——— حضورؐ نے قریباً بارہ برس تک یہ تربیت دی ہے۔ سوچیے کہ یہ تربیت کس بات کی تھی۔ اس بات کی کہ ایک طرف اپنے موقف پر ڈٹے رہو، قدم پیچھے نہ ہٹے لیکن دوسری طرف تمہارا ہاتھ نہ اٹھے، بلکہ جھیلو اور برداشت کرو۔ اگر جان چلی جائے تو فہو المطلوب شہید ہو گئے تو فَاِنَّ مَوۡعِدَکُمُ الۡجَنَّۃُ ادھر تمہاری آنکھ بند ہوتی ادھر جنّت میں داخلہ ہو گیا۔ سورۂ یٰسٓ تو آپ پڑھتے ہوں گے، وہاں نقشہ کھینچا گیا ہے کہ جب رسولوں کی تصدیق کرنے والے شخص نے یہ کہا تھا: "اِنِّیۡۤ اٰمَنۡتُ بِرَبِّکُمۡ فَاسۡمَعُوۡنِ ؕ" یعنی "سن لو کہ میں تو ایمان لاتا ہوں اس پر جو تم سب کا ربّ ہے"، تو فوراً انہیں شہید کر دیا گیا۔ قرآن مجید نے اس کا ذکر نہیں کیا، صرف جو نتیجہ نکلا اسے بیان کر دیا:

"قِیۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّۃَ ؕ قَالَ یٰلَیۡتَ قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡنَ ۙ بِمَا غَفَرَ لِیۡ رَبِّیۡ وَ جَعَلَنِیۡ مِنَ الۡمُکۡرَمِیۡنَ ؕ" یعنی جیسے ہی شہید ہوئے جنّت میں داخلہ کا پروانہ مل گیا اور انہوں نے کہا کہ کاش میری قوم کو میرے اس اعزاز کا علم ہوتا۔ کاش انہیں معلوم ہوتا کہ میں نے کتنی بڑی کامیابی حاصل کی ہے جس کا کوئی تصوّر بھی نہیں کر سکتا کہ مجھے میرے ربّ نے حساب کتاب کے بغیر بخش دیا۔ میرے تمام گناہ معاف کر دیئے اور مجھے اعزاز و اکرام پانے والوں میں شامل فرمایا۔ تو جن لوگوں کو بھی شہادت نصیب ہو جاتی لاریب وہ اپنے مطلوب کو پا گئے۔

پس منکرات کا استیصال جو طاقت کے ساتھ ہے، قوّت کے ساتھ ہے، گویا "بِیَدِہٖ" ہے، اس کا ایک PROCESS ہے، ایک طریقہ ہے۔ وہ طریقہ ہمیں سیرت النبی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے لینا ہو گا۔ وہ وقت بھی آیا کہ حضورؐ نے طاقت کو استعمال فرمایا اور آپؐ کے ہاتھ میں تلوار آئی۔ غزوۂ بدر میں سپہ سالار کون تھے! محمدّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! احد میں سپہ سالار کون تھا! میدانِ احد میں مورچہ بندی کون کر رہا تھا! محمدّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیکن طاقت کے استعمال کے مرحلے سے پہلے جو مراحل ہیں، انہیں ملحوظ رکھنا اور انہیں طے کرنا ضروری ہے۔ وہ مراحل ہیں کہ قرآن مجید کی دعوت و تبلیغ کے ذریعے سے پہلے ایک جمعیت فراہم کی جائے۔ اس

میں وہ افراد شریک ہوں جو شعوری طور پر تقویٰ، اطاعت اور فرماں برداری کی روش اختیار کریں۔ تکمیل کی بات نہیں ہے۔ تکمیل تو موت تک نہیں ہوگی۔ لیکن یہ تو ہو کہ فیصلہ کر کے ایک عزمِ مصمّم کے ساتھ تقویٰ اور اسلام کی راہ پر چل پڑے ہوں: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ ـــــ پھر وہ باہم جڑیں، باہم مربوط ہوں: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ـــــ پھر ان کی آپس کی محبت مثالی محبّت ہو۔ وہ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ اور اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ کا کامل پیکر ہوں اور ان کا حال یہ ہو: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ـــ اور وہ اپنی جانوں سے اپنے مسلمان بھائیوں کی ضروریات کو مقدّم رکھتے ہیں چاہے اپنے اُوپر فاقے گزر رہے ہوں۔ ان کی محبتیں ایسی ہوں کہ ایک زخمی کراہ رہا ہے۔ جان نکلنے کے قریب ہے اور پکار رہا ہے العطش، العطش۔ پانی کا پیالہ ان کے پاس لایا جاتا ہے کہ دوسرے بھائی کی آواز آجاتی ہے العطش، العطش۔ وہ کہتے ہیں کہ پہلے میرے اس بھائی کو پانی پلاؤ۔۔۔ پیالہ وہاں پہنچتا ہے کہ تیسرے زخمی کی آواز آتی ہے العطش، العطش۔ وہ کہتے ہیں کہ پہلے میرے اس بھائی کو پانی پہنچاؤ۔ پیالہ تیسرے کے پاس پہنچتا ہے تو وہ اللہ کو پیارے ہو چکے۔ پیالہ دوسرے کے پاس واپس آتا ہے تو ان کا دم بھی نکل چکا ہوتا ہے۔ اب پیالہ پہلے زخمی کے پاس لایا جاتا ہے تو ان کی رُوح بھی قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی۔ ایک طرف یہ ایثار اور رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کی یہ شان اور دوسری طرف یہ رویّہ اور کیفیت کہ: فَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا ـــــ سنو اور اطاعت کرو۔ (LISTEN AND OBEY) اگر یہ ڈسپلن نہیں تو یہ جماعت نہیں، MOB ہے۔ یہ حزب اللہ نہیں ہے، ایک ہجوم ہے۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ اقبال نے اسی فرق کو واضح کیا ہے ؎

عیدِ آزاداں شکوہِ ملک و دیں　　عیدِ محکوماں ہجومِ مومنیں!

یہ ہجوم ہوتا ہے چاہے دو لاکھ کا مجمع ہو۔ کوئی نظم نہیں، کوئی ڈسپلن نہیں، کوئی کسی کا حکم سننے والا اور ماننے والا نہیں۔ ہر شخص اپنی جگہ گویا سقراط و بقراط ہے۔ کوئی کسی کی بات سننے اور ماننے والا نہیں ہے۔ اِس ہجوم سے کوئی مثبت اور نتیجہ خیز کام نہیں ہوتا۔ یہ کام اگر ہوگا تو صرف ایک منظّم جماعت

کے ذریعہ سے ہوگا۔

اسی بات کو نہایت تاکیدی اسلوب سے اس آیتِ مبارکہ میں فرمایا جا رہا ہے: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ـــــ تم میں سے لازماً ایک گروہ' ایک جماعت، ایک (چھوٹی) اُمّت ایسی ہونی چاہیے جس میں شامل لوگ خیر کی طرف دعوت دینے، پکارنے اور بلانے والے ہوں نیکی کا حکم دینے والے اور بدی سے روکنے والے ہوں ـــــ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر زبان سے تو ہر وقت ہو سکتا ہے' صرف انسان کے اندر جرأت کی ضرورت ہے۔ جس بات کو حق اور صحیح سمجھے اسے بیان کرے۔ اسی لیے تو فرمایا گیا کہ: اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ۔ منکرات کے خلاف سلطانِ جائر کے سامنے کلمۂ حق کہنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں افضل الجہاد کہا ہے اور اس دور میں اصل سلطان عوام الناس ہیں جن کے ووٹوں سے اقتدار کسی پارٹی کے سپرد ہوتا ہے۔ گویا بقول علامہ اقبال یہ "سلطانیٔ جمہور" کا زمانہ ہے۔ اس لیے جہاں نہی عن المنکر کا ایک رُخ اربابِ اقتدار کی طرف ہونا چاہیے وہاں اس سے بھی زیادہ شدّ و مد کے ساتھ اس کا رُخ معاشرہ کی طرف ہونا چاہیے۔ اگر نہی عن المنکر سے پہلوتہی ہوگی، اعراض ہوگا تو اس کا دو کے سوا اور کوئی سبب نہیں ہو سکتا کہ یا بزدلی ہے یا بے حمیتی ہے باقی اور کوئی شکل نہیں ہو سکتی۔ مزید یہ بات بھی جان لیجئے کہ امر بالمعروف بہت آسان کام ہے لوگوں کو نیکی کی تلقین کرنا، نصیحت کرنا، اعمالِ صالحہ کے فضائل بیان کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ اگرچہ ان کی بھی اہمیّت ہے اور کون ہے جو اس سے انکار کرے گا، لیکن اس کے ذریعے سے کچھ لوگ صرف انفرادی طور پر نیکوکار بن جائیں گے۔ معاشرہ ہرگز تبدیل نہیں ہوگا جب تک منکرات کے خلاف جماعتی سطح پر منظّم محنت، سعی و کوشش، جدّ و جہد بلکہ خالص دینی اصطلاح میں جہاد نہ ہو، اور یہ واقعی مشکل اور جان جوکھوں کا کام ہے۔

لہٰذا اس جہاد کے لیے جس کے اعلیٰ مقام و مرتبہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد بالید یعنی طاقت کے ساتھ جہاد قرار دیا ہے: فَمَنْ جَاهَدَ هُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ اس کے لیے ضروری ہوگا کہ پہلے ایک جماعت تشکیل دی جائے جس میں شامل لوگوں میں ایک

طرف تقویٰ اور فرماں برداری کے اوصاف ہوں، دوسری طرف اعتصام وتمسک بالقرآن کا عمل ہو، اور تیسری طرف اس جماعت کے لوگ باہم نہایت محبّت کرنے والے اور ایک دوسرے کے لیے ایثار کرنے والے ہوں۔ اور آخری بات یہ کہ سمع وطاعت کے نظم کے ساتھ ایک امیر کی اطاعت فی المعروف کو اپنے اُوپر لازم اور واجب بلکہ فرض سمجھنے والے ہوں ——— اس کام کے لیے جو جماعت درکار ہے اس کے اوصاف کی رہنمائی ہمیں اس حدیث سے ملتی ہے جو حضرت حارث الاشعریؓ سے مروی ہے اور جسے امام احمد ابن حنبل اور امام ترمذی رحمہما اللہ بالترتیب اپنی 'مُسند' اور اپنی 'جامع' میں لائے ہیں۔ حضرت حارث الاشعریؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ: بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ——— "میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں: التزامِ جماعت کا، سمع وطاعت کا، اور اللہ کی راہ میں ہجرت وجہاد کا۔" ایک دوسری روایت میں 'اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ' کے بعد الفاظ آئے ہیں: "اَللّٰهُ اَمَرَنِیْ بِهِنَّ" یعنی "اس کا حکم مجھے اللہ نے دیا ہے"۔ یعنی میں تم کو یہ حکم اللہ کے حکم کی تعمیل میں دے رہا ہوں۔ اس حدیث میں 'ہجرت وجہاد' کی جو اصطلاحات آئی ہیں ان کے وسیع تر معانی ومفاہیم پر بعد میں گفتگو ہوگی۔

موجودہ دور میں 'نہی عن المنکر بالید' کی عملی صورت

اب توجہ فرمائیے اس مسئلے کی جانب کہ اگر مطلوبہ اوصاف والی جماعت وجود میں آجائے اور نہی عن المنکر باللّسان یعنی زبان وقلم کے ذریعے منکرات کے خلاف جہاد کا حق ادا کیا جا چکا ہو تو اس کے بعد ہاتھ یا قوّت سے نہی عن المنکر کے لیے کس طرح اقدام کیا جائے گا۔

اس کے جواب کے لیے پہلے مثال کے طور پر ایک واقعہ عرض کرنا ہے ——— آج سے چند سال پہلے ۲۳ مارچ کا دن آنے والا تھا، جسے 'یومِ پاکستان' کے نام سے ہر سال دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ میں ۲۳ مارچ سے چند دن پہلے عمرہ کے لیے جانے والا تھا کہ مجھے لاہور کے ایک گرلز کالج کی پرنسپل صاحبہ کا فون آیا کہ "آپ نے کبھی سوچا نہیں کہ ۲۳ مارچ اور ۱۴ اگست کو سڑکوں پر جوان لڑکیوں کی پریڈ ہوتی ہے اور اس کو دیکھنے کے لیے لوگوں کے ٹھٹ کے

ٹھٹ لگے ہوتے ہیں۔ جوان لڑکیاں سینہ تان کر پریڈ کرتی ہیں۔ اس پر آپ نے کبھی کوئی نکیر نہیں کی؟ میں واقعی حیران ہوا کہ کیوں میری توجہ اس طرف نہیں ہوئی! میں نے اپنے آپ کو پہلے یہ ’الاؤنس‘ دیا کہ میں نے آج تک کوئی پریڈ نہیں دیکھی۔ نہ میرے ہاں ٹی وی ہے کہ اس پر دیکھنے کا کسی طور موقع ملتا۔ لیکن پھر یہ خیال آیا کہ اخبارات میں فوٹو تو چھپتے ہیں۔ وہ تو نظر سے گزرے ہیں۔ پھر مجھے افسوس ہوا کہ اتنے بڑے منکر کی طرف میرا دھیان کیوں نہیں گیا۔ میں دل ہی دل میں نادم ہوا۔ عمرہ کے لیے روانگی سے قبل حسب معمول مجھے مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں جمعہ کی تقریر کرنی تھی۔ باغ جناح کے قریب ہی جی۔او۔آر (G.O.R) ہے۔ لہٰذا بہت سے اعلیٰ گورنمنٹ آفیسرز وہاں آتے ہیں۔ کنٹونمنٹ بھی زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔ لہٰذا بہت سے اعلیٰ ملٹری آفیسرز بھی وہاں ہوتے ہیں —— تو میں نے اپنی تقریر میں کہا کہ خدا کے لیے جس کی بھی جناب صدر تک پہنچ اور رسائی ہے وہ یہ بات ان تک پہنچاتے کہ یہ بہت بڑا منکر ہے۔ لڑکیوں کی پریڈ کرانی ہے تو قذافی اسٹیڈیم میں کرالیں۔ وہاں پریڈ دیکھنے صرف ہماری مائیں، بہنیں اور بیٹیاں جائیں، ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ آپ بچیوں کو ملٹری ٹریننگ دیجیے، رائفل ٹریننگ دیجیے۔ جیسے گرلز کالجوں کے گرداگرد چہار دیواری ہوتی ہے اور عمارتیں باپردہ ہوتی ہیں تو ایسی چہار دیواری والے میدانوں میں بچیوں کو ٹریننگ دیجیے اور قذافی سٹیڈیم میں ان کی پریڈ کرایئے جس میں مردوں کا داخلہ بالکل ممنوع ہو۔ لیکن ہماری جوان بچیاں پریڈ میں سینہ تان کر چلتی ہیں، وہ جھک کر تو نہیں چلتیں، نہ وہ ادھیڑ عمر یا بوڑھی ہوتی ہیں۔ یہ بہت بڑا منکر ہے۔ میں اس تقریر کے بعد عمرے کے لیے چلا گیا۔ واپس آیا تو ۲۴ مارچ تھی۔ ۲۴ مارچ کو صبح کے روزنامے شائع نہیں ہوتے۔ مجھے ہوائی جہاز میں شام کے اخبار ملے۔ اکثر اخبارات میں اس خبر کا چرچا تھا اور انگریزی روزنامے کی تو پہلی سرخی یہ تھی:

"WOMEN'S PARADE TOOK PLACE DESPITE THE LETTER OF MIAN TUFAIL"

اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ میاں طفیل محمد صاحب نے بھی صدر ضیاء الحق صاحب کو اس بارے میں کوئی خط لکھا تھا لیکن میاں صاحب کے خط کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔ پریڈ ہوئی اور ان لوگوں نے بغلیں بجائیں جو ہمارے ملک میں بے حجابی، بے پردگی اور فحاشی کے علمبردار ہیں۔ اخبارات نے شہ سرخیوں کے ساتھ اس بات کو چھاپا —— گویا اس طرح ان سب دین دوست افراد کا استہزاء کیا گیا

جو منکرات کو مٹانے اور معروفات کو فروغ دینے کے داعی اور علمبردار ہیں۔

اب یہ بات جان لیجئے کہ اگر ایک جماعت ایسی ہو کہ جو الیکشن کے لیے ووٹوں کی بھیک مانگتی نہ پھر رہی ہو اس لیے کہ اس طور پر تو معاملہ کچھ اور ہو جاتا ہے۔ بقول شاعر ع مانگنے والا گدا ہے، صدقہ مانگے یا خراج! ——— اوّلاً اگر اسلام کے نام پر الیکشن میں کامیاب ہونے والا ایک شخص بھی خراب نکل آئے تو پوری جماعت پر حرف آئے گا یا نہیں ہے ایک مچھلی پورے تالاب کو گندا کر سکتی ہے اور ایک کالی بھیڑ پورے گلے کو مشکوک بنا سکتی ہے۔ پھر یہ کہ جب آپ ووٹ مانگتے ہیں تو لوگوں کے غلط عقائد، غلط اعمال پر تنقید اور نکیر نہیں کر سکتے۔ لوگوں سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم خلافِ اسلام کام کر رہے ہو، تم حرام خوریاں کر رہے ہو، تم خلافِ قانون کام کر رہے ہو چونکہ انہی سے تو آپ نے ووٹ لینے ہیں۔ لہٰذا آپ یہ باتیں نہیں کہہ سکتے۔ اب اس الیکشن کی اسلام کے حق میں آخری خرابی کی بات بھی سن لیجئے۔ جب آپ بھی الیکشن میں اسلام کے نام پر ووٹ مانگیں گے اور کوئی دوسری جماعت بھی اسلام کے نام پر ووٹ مانگے گی تو دو اسلام ہو گئے یا نہیں ہے تین یا چار جماعتیں اسلام کے نام پر الیکشن میں حصہ لے رہی ہوں تو تین یا چار اسلام ہو جائیں گے یا نہیں! ہمارے معاشرے میں فرقہ واریت جس شدت کے ساتھ بڑھ رہی ہے اس کا سب سے بڑا سبب اسلام کے نام پر الیکشن لڑنا ہے۔ ہر گروہ اپنے مخصوص شعائر کا جن کا اسلام سے یا تو سرے سے کوئی تعلق نہ ہو یا اگر ہو تو محض فروعی ہو، اس طرح پروپیگنڈا کریگا گویا یہی اصل اسلام ہے۔ عوام الناس جن کی عظیم اکثریت اسلام کی تعلیمات سے ناواقف ہے وہ مزید انتشارِ ذہنی میں مبتلا ہوں گے یا نہیں ہے اور ہمارے خواص بالخصوص جدید تعلیم یافتہ طبقہ پہلے ہی سے دین کے معتقدات و اساسات کے بارے میں تشکیک و ریب میں مبتلا ہیں ان جماعتوں کا ساتھ دیں گے یا نہیں جو سیکولر (لادینی) ذہن کی حامل اور علمبردار ہیں ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں جس سے زیادہ FAIR الیکشن پاکستان میں تا حال کبھی نہیں ہوا یہ نتیجہ سامنے آچکا ہے یا نہیں ہے لہٰذا اس بات پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ الیکشن کے راستے سے یہاں اسلام نہیں آئے گا۔ جو حضرات نیک نیتی سے سمجھتے ہیں کہ اس ذریعہ سے اسلام آسکتا ہے اگر ان کی نیتوں میں واقعی خلوص و اخلاص ہے تو وہ لگے رہیں۔ خلوص و حسنِ نیت کا وہ اللہ تعالیٰ کے

یہاں اجر ضرور پائیں گے۔ بشرطیکہ اخلاصِ نیّت کے ساتھ وہ ان غلط کاموں سے اپنا دامن بچائیں جو الیکشن کا خاصہ بن گئی ہیں، جیسے جعلی ووٹنگ، ووٹوں کی خریداری، علاقائی، لسانی اور برادری کی عصبیتوں کو اُبھارنا وغیرہ وغیرہ۔ مجھے یقین ہے کہ ایسی صورت میں ان کا اجر ضائع نہیں ہوگا لیکن ساتھ ہی اس کا بھی یقین ہے کہ کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ یہ قوتوں کا، صلاحیتوں کا، سرمایہ کا محض ضیاع ہوگا۔ اسلام اس راستہ سے آ ہی نہیں سکتا۔ اس الیکشن بازی کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ جماعتوں کے تحزّب اور تخالف سے ملّی اتحاد میں ایسے رخنے پیدا ہوتے ہیں کہ انتہائی کوشش کے باوجود ان کا بھرنا ممکن نہیں رہتا۔ یہ تحزّب و تخالف بسا اوقات دائمی نفرت اور عداوت کا رُخ اختیار کر لیتا ہے جس کی تباہ کاریوں سے کون ہے جو ناواقف ہوگا۔

پاکستان میں اسلام آئے گا تو اس طور پر کہ اگر کوئی ایسی جماعت ہے اور معتدبہ افراد پر مشتمل ہے کہ انفرادی طور پر اس کا ہر رکن تقویٰ اور اسلام کی روش پر کاربند ہونے کے لیے دل و جان سے کوشاں ہے۔ حبل اللہ یعنی قرآن مجید سے اس کا تعلق مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ہر نوع کے فقہی اختلافات سے اس کا دامن محفوظ ہے۔ وہ ائمہ اربعہ اور محدّثین علیہم الرحمۃ کے فقہی اختلافات کو صرف تعبیر کا، استنباط کا اور راجح و مرجوح اور افضل و مفضول کا فرق سمجھتا ہے۔ وہ جماعت اقتدارِ وقت کو چیلنج کرے گی کہ منکرات کا کام ہم یہاں نہیں ہونے دیں گے یہ ہماری لاشوں ہی پر ہوگا۔ منکرات وہ سامنے رکھے جائیں گے جن کے منکر ہونے پر کسی فقہی مکتبِ فکر کو اختلاف نہ ہو۔ سب اس کو منکر تسلیم کرتے ہوں۔ جیسے بے حیائی اور بے پردگی اور سودی نظامِ معیشت ——— یہ ہے اصل طریقِ کار۔ یہ ہے ایک مسلمان ملک میں "مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ" کے فرمانِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر تعمیل کی کوشش۔ کیا آج لوگ اپنے سیاسی اور معاشی حقوق کے لیے یہ سب کچھ نہیں کرتے؟ یہ ایجی ٹیشن کیوں ہوتا ہے؟ یہ مظاہرے کیوں ہوتے ہیں! صرف سیاسی حقوق کے لیے یا صرف کسی دنیاوی سہولت کے لیے۔ لیبر یونینیں اپنی اُجرت بڑھوانے اور دوسری مراعات حاصل کرنے کے لیے مظاہرے کرتی ہیں یا نہیں؟ یہی ایجی ٹیشن اگر صرف دین کے لیے اور نہی عن المنکر کے لیے ہوں کہ یہ منکر کام ہم یہاں نہیں ہونے دیں گے تو یہ طریقہ ان شاء اللہ پانسہ پلٹ کر رکھ دے گا۔

کامیابی کی لازمی شرط

بدامنی اور توڑ پھوڑ سے کلّی اجتناب

البتہ اس کی شرط یہ ہے کہ یہ سب کچھ پُرامن ہو۔ یہ نہیں کہ آپ نے ٹریفک سگنل توڑ دیئے۔ ایک چلتی بس ٹھہرائی اور اس کے ٹائروں سے ہوا نکال دی۔ اس سے کیا حاصل ہوا؟ — اس بس کے جو ساٹھ ستر مسافر تھے ان کو آپ نے تکلیف پہنچائی۔ نہ معلوم کس کو کتنی دُور جانا تھا! یا سرکاری املاک اور خاص طور پر سرکار کے زیر انتظام چلنے والی بسوں کو آگ لگا دی۔ معاذ اللہ! وہ بس کسی غیر کی نہیں تھی۔ اس غریب قوم کی تھی جس کا ایک ایک بال بیرونی قرضوں میں بندھا ہوا ہے۔ آپ نے سرکاری املاک اور بسوں کو نقصان پہنچا کر اور جلا کر اس غریب قوم پر قرضوں کے بار میں مزید اضافہ کر دیا۔ حکومت یہ کرے گی کہ کوئی نیا غیر ملکی قرضہ لے گی اور اس نقصان کو پورا کر لے گی۔ نتیجہ! یہ کہ قوم قرضوں کے بوجھ تلے مزید دب جائے گی۔ پھر پولیس کی کوئی لاری یا ٹرک آیا تو اس پر پتھراؤ شروع کر دیا۔ نتیجہ! یہ کہ پولیس والے جو آپ ہی کے بھائی بند ہیں، آپ کے خلاف مشتعل ہو گئے — اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو دیکھئے۔ بارہ برس تک مکّہ میں حضورؐ پر اور خاص طور پر آپؐ کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر تشدّد ہوا۔ لیکن کسی نے ہاتھ تک نہیں اٹھایا۔ انہیں مارا گیا، ایک مومن خاوند و بیوی حضرت یاسرؓ اور حضرت سمیّہؓ نہایت بہیمانہ طور پر شہید کر دیئے گئے۔ حضرت بلالؓ کو سفاکانہ طور پر مکّہ کی سنگلاخ اور تپتی زمین پر اس طرح گھسیٹا گیا جیسے کسی مردہ جانور کی لاش کو گھسیٹا جاتا ہے جس کو ایک سلیم الطبع شخص گوارا نہ کرے۔ حضرت خبابؓ کو دہکتے انگاروں پر ننگی پیٹھ لٹایا گیا۔ یہاں تک کہ ان کی کمر کی چربی اور خون سے انگارے ٹھنڈے ہوئے۔ لیکن کسی کو بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ الغرض ایک ایسی جماعت کی ضرورت ہے جس کا مقصد یَدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ کے سوا اور کچھ نہ ہو۔ وہ جماعت منظّم ہو اور اس جماعت کے کارکن تقویٰ، اسلام اور اعتصام بالقرآن کی سیڑھیوں پر کسی نہ کسی درجہ میں قدم رکھ چکے ہوں۔ اس کا عزم مصمّم کر چکے ہوں۔ وہ فقہی اختلافات میں الجھنے والے

نہ ہوں ـــــ وہ جماعت ایک امیر کے حکم پر حرکت کرتی ہو۔ رُکنے کو کہا جائے تو رُکیں اور بڑھنے کو کہا جائے تو بڑھیں۔ جب تک یہ شکل نہیں ہوگی اسلامی نظام آنے کا امکان پیدا ہوگا نہ منکرات کے خاتمے کی سبیل پیدا ہوگی۔

دو ممکن نتیجے: اس طریق پر عملی جدّوجہد کے دو ہی ممکن نتیجے نکل سکتے ہیں: پہلا یہ کہ حکومتِ وقت پسپائی اختیار کرے اور ہمارے مطالبات کو مان لے۔ منکرات ختم ہوں، ان کی جگہ معروفات لے لیں۔ اسی طرح درجہ بدرجہ منظّم مظاہروں کے ذریعہ سے پوری شریعت نافذ ہو جائے گی۔ چونکہ اربابِ اقتدار کو یہ اطمینان ہوگا کہ یہ جماعت اپنا اقتدار نہیں چاہتی بلکہ اس کا مقصود و مطلوب صرف اسلامی نظام ہے۔ چنانچہ انہی کے ہاتھوں اسلامی نظام قائم و نافذ ہو جائے گا اور فہو المطلوب ـــــ یا دوسری شکل یہ ہوگی کہ حکومت مزاحمت کرے اسے اپنی انا اور وقار کا مسئلہ بنالے اور مسندِ اقتدار یا ایوانِ اقتدار کی اکثریت ان لوگوں پر مشتمل ہو جو چاہے زبانی کلامی اسلام کے اور اس کے نظامِ عدل و قسط کے بڑے قصیدہ گو اور مدح سرا ہوں لیکن جن کے قلوب حقیقی نورِ ایمان سے خالی ہوں تو وہ مزاحمت کریں گے، تصادم ہوگا، مظاہرین پر لاٹھی چارج ہوگا، گولیوں کی بوچھاڑ ہوگی، ان کو جیلوں میں ٹھونسا جائے گا، قید و بند کی تکالیف ہوں گی ـــــ ان سب کو اگر یہ جماعت پُرامن طریق پر جھیل جائے، وہ مشتعل نہ ہو یعنی وہ کوئی جوابی کارروائی نہ کرے، نہ جماعت کا کوئی رکن معافی نامہ اور توبہ نامہ لکھ کر جیل سے بچنے کی فکر کرے تو ان شاءَ اللہ پھر بھی دو نتیجے نکلیں گے۔ یا تو وہ جماعت اس راہ میں قربان ہو جائے گی، کچل دی جائے گی، تو آخرت کے اعتبار سے یہ بہت بڑی کامیابی ہے بلکہ اصل کامیابی یہی ہے: ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ دوسرا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ اس جماعت کو اپنے ایثار و قربانی سے عوام النّاس کی عملی ہمدردیاں حاصل ہو جائیں اور وہ پوری طرح اس کا ساتھ دیں۔ مزید برآں خود پولیس اور فوج بھی تو مسلمان بھائیوں ہی پر مشتمل ہے۔ ان کی عملی ہمدردیاں بھی اس جماعت کے ساتھ ہو جائیں گی۔ ایران کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ پہلے تو شہنشاہ کے حکم پر پولیس اور فوج نے مظالم کی حد کر دی لیکن جب انقلابی جماعت کے ساتھ عوام النّاس کی اکثریت بھی شامل ہو گئی تو فوج نے گولیاں برسانے اور پولیس نے لاٹھی چارج اور اشک آور گولوں کی بوچھاڑ کرنے سے انکار کر دیا

جب یہ صورتِ حال پیدا ہوئی، تب ہی تو شہنشاہ ایران جیسے جابر شخص کو جس نے اپنے گرد اگرد ایک قومی ہیرو کی حیثیت سے تقدّس کا ہالہ بھی قائم کر رکھا تھا، اپنی جان بچا کر ملک سے فرار ہونے پر مجبور ہونا پڑا۔ کم و بیش یہی صورتِ حال ۱۹۷۷ء کی نظامِ مصطفٰے تحریک کے موقع پر پیش آئی۔ بھٹو صاحب نے لاہور اور کراچی میں جزوی مارشل لاء نافذ کر دیا تھا۔ لیکن وہ وقت آیا کہ فوج نے مظاہرین پر گولیاں چلانے سے انکار کر دیا۔ اِس صورتِ حال کی وجہ سے بھٹو صاحب کو جھکنا پڑا اور وہ قومی اتحاد کے اکابر سے مصالحت کی گفتگو پر آمادہ ہو گئے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی اور اس تصادم کا فائدہ کوئی دوسرا اٹھا لے گیا۔

ایسی جماعت کے وجود اور مقاصد کے لیے جہاں ہمیں اِس آیتِ مبارکہ سے رہنمائی ملتی ہے کہ: "وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" وہاں اس کے اصول و مبادی اور شرائط و اوصاف کے لیے رہنمائی اِس حدیث شریف سے ملتی ہے جو حضرت حارث الاشعریؓ سے مروی ہے۔ اس کا ترجمہ پھر سُن لیجیے۔ حضرت حارث الاشعریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں: التزامِ جماعت[1] کا، سمع[2] و طاعت[3] کا، اللہ کی راہ میں ہجرت[4] اور جہاد[5] کا ـــــ گویا اوّلاً جماعت درکار ہے، افراد نہیں، ہجوم نہیں، MOB نہیں۔ پھر جماعت بھی ڈھیلی ڈھالی نہیں، چار آنے کی ممبری والی نہیں، صدروں کی ٹانگیں گھسیٹنے والی نہیں بلکہ سمع و طاعت والی۔ پھر اس جماعت کے سامنے مقاصد کیا ہوں گے؟ اللہ کی راہ میں "ہجرت" اور "جہاد"!

ہجرت اور جہاد کی ابتدا اور انتہا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: اَیُّ الْهِجْرَةِ اَفْضَلُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ "یارسول اللہ بہترین اور اعلیٰ ہجرت کون سی ہے؟" آپؐ نے فرمایا: اَنْ تَهْجُرَ مَا كَرِهَ رَبُّكَ "ہر اُس چیز کو چھوڑ دو جو تمہارے ربّ کو پسند نہیں ہے"۔ گویا یہ ہے ہجرت کا نقطۂ آغاز۔ البتہ یہ نیّت رکھنی ضروری ہے کہ اللہ کے دین کے غلبہ کے لیے، اسے قائم کرنے کی جدّوجہد کے لیے گھر بار، اہل و عیال، مال و منال یہاں تک کہ اپنے وطن کو چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دوں گا۔

یہ نیت ہر مسلمان رکھے۔ لیکن اگر آپ کی زندگی میں کوئی معصیت ہے اسے ترک کرنے کا فیصلہ کیجئے اسی لمحہ سے ہجرت کا عمل شروع ہو جائے گا۔ مزید برآں عوام تو عوام ہمارے اکثر اہلِ علم بھی اِس مغالطہ میں ہیں کہ جہاد کے معنی جنگ کے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی ہمارے دین کی ایک بڑی وسیع معانی اور مفاہیم رکھنے والی اصطلاح ہے۔ حضورؐ سے پوچھا گیا: اَیُّ الْجِھَادِ اَفْضَلُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ؟ "یارسول اللہ بہترین جہاد کون سا ہے؟" تو آپؐ نے فرمایا: اَنْ تُجَاھِدَ نَفْسَکَ فِی طَاعَۃِ اللّٰہِ "کہ تم اپنے نفس سے جہاد کرو اور اسے اللہ کا مطیع بناؤ۔" ایک روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آیا ہے: "اَلْمُجَاھِدُ مَنْ جَاھَدَ نَفْسَہٗ" "حقیقی مجاہد تو وہ ہے جو اپنے نفس کی ناجائز خواہشات کے خلاف کشمکش کرے۔" تو جہاد یہاں سے شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ اسی جہاد کے اگلے مراحل ہیں غیر اسلامی نظریات، منکرات اور غیر اسلامی نظام کے خلاف کشمکش اور پنجہ آزمائی۔ اسی جہاد کی بلند ترین چوٹی ہے "قتال فی سبیل اللہ"۔ لہٰذا دل میں یہ نیت رکھنی ضروری ہے کہ اے اللہ! وہ وقت آئے کہ صرف تیرے دین کے غلبہ کے لیے، تیرے کلمہ کی سربلندی کے لیے میری گردن کٹے۔ اس لیے کہ اگر یہ آرزو سینہ میں موجود نہیں ہے تو وہ ایک مومن کا سینہ نہیں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے نہ تو اللہ کی راہ میں جنگ کی، نہ جنگ کی آرزو اپنے سینہ میں رکھی، نہ شہادت کی تمنا اپنے سینہ میں رکھی تو اگر اس حالت میں اسے موت آگئی تو "فَقَدْ مَاتَ عَلٰی شُعْبَۃٍ مِّنَ النِّفَاقِ" "یعنی ایسا شخص یقیناً ایک نوع کے نفاق پر مرا ہے۔" یعنی حقیقی ایمان پر نہیں مرا۔ تو یہ ہے 'ہجرت و جہاد' ـــــ ہجرت شروع کہاں سے ہوئی؟ ترکِ معصیت سے اور کہاں تک جائے گی؟ ترکِ وطن تک۔ جہاد کہاں سے شروع ہوا؟ مجاہدہ مع النفس سے اور کہاں تک جائے گا؟ قتال فی سبیل اللہ تک ـــــ لیکن اس لائحہ عمل پر چلنے کے لیے ایک جماعت کی ضرورت ہے جو بیعتِ سمع و طاعت پر قائم ہو۔ البتہ اس کے ساتھ 'فی المعروف' کی شرط ہوگی یعنی یہ کہ یہ سمع و طاعت اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کے دائرے کے اندر اندر ہوگی۔

خلاصۂ بحث

قصہ مختصر یہ کہ نہی عن المنکر کے اعلیٰ ترین درجے یعنی قوت و طاقت سے منکرات کے استیصال کا طریق کار وہ ہوگا جو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا یعنی یہ کہ قرآن کی دعوت و تبلیغ کے ذریعے ایک ایسی جماعت فراہم کی جائے اور تشکیل دی جائے جو اپنی استقامت سے، اپنے ثبات سے، اپنے صبر سے، اپنے ایثار سے، اپنی قربانی سے، اپنی باہمی محبت سے اور جماعتی طور پر ہجرت و جہاد سے اللہ کے دین کا بول بالا کرے، منکرات کا استیصال کرے۔ جو لوگ یہ کام کریں گے تو اس آیت کے آخر میں ان کو بشارت دی گئی: وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ "اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے" ——— ایسے موقع پر ہمیشہ دل سے دعا کیا کیجئے: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ ——— اے اللہ ہمیں ان مفلحین میں شامل فرما جو تیرے بتائے ہوئے ان تمام راستوں پر عمل پیرا ہوں۔ ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم اپنی انفرادی زندگیوں میں تقویٰ، اطاعت اور فرمانبرداری کی روش اختیار کریں۔ ہم قرآن سے نزدیک سے نزدیک تر ہوتے چلے جائیں۔ اس کے ساتھ ہمارا ذہنی و قلبی اور عملی تعلق مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے۔ اور اے اللہ! ہمیں ہمت دے کہ ہم ایک ایسی جماعت کی شکل اختیار کریں جو سمع و طاعت کی بنیاد پر قائم ہو اور جس کا مقصد صرف دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو۔ آمین یا ارحم الراحمین!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا

اے ہمارے رَبّ، اگر ہم بھول جائیں یا چُوک جائیں تو (ان گناہوں پر) ہماری گرفت نہ فرما۔

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ

اور اے ہمارے رَبّ، ہم پر ویسا بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے اُن لوگوں پر ڈالا

عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا

جو ہم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ

اور اے ہمارے رَبّ، ایسا بوجھ ہم سے نہ اٹھوا جس کے اُٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے۔

وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا

اور ہماری خطاؤں سے درگذر فرما، اور ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔

اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

تُو ہی ہمارا کارساز ہے۔ پس کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔

ہمیں توبہ کی توفیق عطا کر دے

ہماری خطاؤں کو اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لے

الداعی الی الخیر: میاں عبدالواحد
بھگوان سٹریٹ
پرانی انارکلی لاہور

نہی عن المنکر کی خصوصی اہمیّت

علماء وصلحاء کے کرنے کا اصل کام

اور عذابِ الٰہی سے نجات کی واحد راہ

وَتَرٰی كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝

المائدہ: آیات ۶۲، ۶۳

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ تَرٰي كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

المائدہ: آیات ۷۸، ۸۱

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝

هود: آیت ۱۱۶

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْۗءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَـِٕيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝

الاعراف: آیت ۱۶۵

عن أبي سعيد الخُدْرِيِّ رضي الله عنه قال سَمِعْتُ رسول الله صلى الله عليه وسلم يَقُولُ : « مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ » رواه مسلم .

عن ابْنِ مَسْعُود رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : « مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللهُ فِي أُمَّةٍ قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِيُّونَ وَأَصْحَابٌ يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ ، ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ وَيَفْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ ، فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذَلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ » رواه مسلم .

عَن ابن مَسْعُودٍ رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «إنّ أوّلَ ما دَخَلَ النّقصُ عَلَى بَنِى إسرائيل أنّهُ كَانَ الرّجلُ يلْقَى الرّجُلَ فَيَقُولُ: يَا هٰذَا اتّقِ الله وَدعْ مَا تَصْنَعُ فإنّهُ لا يَحِلُّ لَكَ ثُمّ يَلْقَاهُ مِن الْغَدِ وَهُوَ عَلَى حَالِهِ فَلا يَمْنَعهُ ذٰلِكَ أنْ يَكُونَ أكِيلَهُ وَشَرِيبَهُ وَقَعِيدَهُ فَلَمّا فَعَلُوا ذٰلِكَ ضَرَبَ الله قُلُوبَ بَعضِهِمْ بِبَعْضٍ، ثُمّ قال: ﴿لُعِنَ الّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِى إسرائيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمْ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فعلوهُ لَبِئْسَ ما كَانُوا يفعلُونَ تَرَى كَثِيرًا مِنهُمْ يَتَوَلّوْنَ الّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ ما قدّمتْ لَهُمْ أنفسُهمْ﴾ إلَى قولِه ﴿فَاسِقُونَ﴾ ثُمّ قَالَ: «كَلّا وَاللهِ لَتَأمُرُنّ بالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنّ عَنِ الْمُنكَرِ وَلَتَأخُذُنّ عَلَى يَدِ الظّالِمِ وَلَتَأطِرُنّهُ عَلَى الْحَقّ أطْرًا وَلَتَقْصُرُنّهُ عَلَى الْحَقّ قَصْرًا أوْ لَيَضْرِبَنّ الله بِقُلُوبِ بَعْضِكُمْ عَلَى بَعْضٍ ثُمّ لَيَلْعَنَنّكُمْ كَمَا لَعَنَهُمْ» رواه أبو داود، والترمذى وقال: حديث حسن. هذا لفظ أبى داود. وَلفظ الترمذى قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لَمّا وَقَعَتْ بَنُو إسْرَائيلَ فى الْمَعَاصِى نَهَتْهُمْ عُلَمَاؤُهُمْ فَلَمْ يَنْتَهُوا فَجَالَسُوهُمْ فى مَجَالِسِهِمْ وَوَاكَلُوهُمْ وَشَارَبُوهُمْ فَضَرَبَ الله قُلُوبَ بَعضِهِمْ بِبَعْضٍ وَلَعَنَهُمْ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ، فَجَلَسَ رسول الله صلى الله عليه وسلم وَكَانَ مُتّكِئًا فَقَالَ: لَا وَالّذِى نَفْسِى بِيَدِهِ حَتّى تَأطِرُوهُمْ عَلَى الْحَقّ أطْرًا». قَوْلُهُ «تَأطِرُوهم»: أىْ تَعْطِفُوهُمْ. «ولَتَقْصُرُنّهُ»: أىْ لَتَحْبِسُنّهُ.

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بنی اسرائیل میں جو اوّلین نقص پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ ایک شخص کسی دوسرے

سے ملاقات پر کہتا تھا: 'اے فلاں' اللہ سے ڈرو' اور جو کام تم کر رہے ہو اسے چھوڑ دو' اس لیے کہ وہ تمہارے لیے جائز نہیں ہے! لیکن پھر جب ان کی اگلے روز ملاقات ہوتی تھی تو اس کے باوجود کہ وہ شخص اپنی اسی روش پر قائم ہوتا تھا یہ بات اس پہلے شخص کو اس کے ساتھ کھانے پینے میں شرکت اور مجالست سے نہیں روکتی تھی' تو جب انہوں نے یہ روش اختیار کی تو اللہ نے ان کے دلوں کو بھی باہم مشابہ کر دیا۔" اس کے بعد آپؐ نے آیاتِ قرآنی (سورۃ مائدہ ۷۸ تا ۸۱) "لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ سے فَاسِقُوْنَ" تک تلاوت فرمائیں اور پھر فرمایا: "ہرگز نہیں! خدا کی قسم تمہیں لازماً نیکی کا حکم دینا ہوگا اور بدی سے روکنا ہوگا اور ظالم کا ہاتھ پکڑ لینا ہوگا' اور اسے جبراً حق کی جانب موڑنا اور اس پر قائم رکھنا ہوگا ورنہ اللہ تمہارے دل بھی ایک دوسرے کے مانند کر دے گا اور پھر تم پر بھی اسی طرح لعنت فرمائے گا جیسے ان پر کی تھی!" اس حدیث کو روایت کیا امام ابوداؤدؒ اور امام ترمذیؒ نے۔ متذکرہ بالا الفاظ روایتِ ابی داؤدؒ کے ہیں۔ روایتِ ترمذیؒ کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہوئے تو (ابتدا میں) ان کے علماء نے ان کو ان سے روکا لیکن جب وہ باز نہ آئے اور (اس کے باوجود) انہوں نے ان کی نشست اور باہم کھانا پینا جاری رکھا تو اللہ نے ان کے دل بھی باہم مشابہ کر دیئے اور پھر ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) کی زبانی لعنت فرمائی اور یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی روش اختیار کی اور وہ حدود سے تجاوز کرتے تھے۔" اس کے بعد آنحضورؐ اٹھ کر بیٹھ گئے درآں حالیکہ اس سے قبل آپؐ ٹیک لگائے ہوئے تھے اور پھر آپؐ نے فرمایا: "نہیں' اس ہستی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب تک تم ان کو حق کی جانب موڑ نہ دو گے (تمہاری ذمہ داری ادا نہ ہوگی)" امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے!

عَنْ حُذَيْفَةَ رضى الله عنه عَنِ النبي صلى الله عليه وسلم قال :

« وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ ثُمَّ تَدْعُونَهُ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ »

رواه الترمذي وقال : حديث حسن .

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

باہم لازم و ملزوم

ایک گاڑی کے دو پہیے یا ایک ہی تصویر کے دو رُخ

---

(۱) شانِ باری تعالیٰ ـــــ النحل ۹۰

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ

(۲) تقاضائے فطرت و حکمت ـــ لقمان ۱۷

يٰبُنَيَّ أَقِمِ الصَّلٰوةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ أَصَابَكَ إِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝

(۳) شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ الاعراف ۱۵۷

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ

(۴) شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم ـــــ التوبہ ۷۱

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

(۵) کیفیتِ منافقین ـــــ التوبہ ۶۷

الْمُنٰفِقُونَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ

(۶) اُمت کا فرضِ منصبی ـــــ آلِ عمران ۱۱۰

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ

(۷) اُمتِ مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل کا نقطۂ عروج ـــ آلِ عمران ۱۰۲ تا ۱۰۴

يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَآءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

(۸) اصحابِ اقتدار کا فرضِ عین ـــ الحج ۴۱

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنّٰهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝

(۹) سرفروش اور جانباز اہلِ ایمان کے اوصاف کا ذروۂ سنام ـــ التوبہ ۱۱۱ تا ۱۱۲

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقٰتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهِ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ التَّآئِبُونَ الْعٰبِدُونَ الْحٰمِدُونَ السَّآئِحُونَ الرّٰكِعُونَ السّٰجِدُونَ الْاٰمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُونَ لِحُدُودِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝

کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

تربیت اور وہ بھی نظریاتی!

ہم نظریئے کی بات کرتے ہیں، وہ ہے کہاں؟
ذکر تنظیم اسلامی کی ایک تربیت گاہ کا

اقتدار احمد

مادہ پرستی کے اس دورِ پُرفتن میں مادیت کا دجّال ہمارے دماغ کی دنیا اور سوچ پر ہی حکمران نہیں، دل کی پہنائیوں میں بھی امنگوں آرزوؤں کی شکل میں گھر کر گیا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کا وہی معجزوں کی بارش برساتا اور دنیاوی آسائشوں کی چکا چوند سے نگاہوں کو خیرہ کرنے والا کاذب دجّال، جس کی پیشانی پر اسباب و وسائل پر تکیہ کرنے سے عبارت صرف ایک آنکھ ہے کیونکہ روح کا خانہ تو خالی ہو چکا جو مسبّبُ الاسباب اللہ کے رہنے کی جگہ ہے۔ کیا آج ہم میں سے کسی کو یہ دماغ ہے، اتنی فرصت میسر ہے کہ تنہائی کا موقع نکالے اور اپنے من میں ڈوب کر اس بات کا سراغ پانے کی کوشش کرے کہ خالقِ کون و مکاں نے مجھے عمر کی مہلت دے کر اس دنیائے فانی میں کیوں بھیجا۔ چار دن کی جو عمرِ دراز میں مانگ کر لایا ہوں، اس کے دو دن آرزو میں اور دو دن انتظار میں ہی گزر جائیں گے یا اگلی منزل کے لئے زادِ راہ بہم پہنچانا بھی میرا دردِ سر ہے اور انہی چار دنوں میں اس کا بھی کچھ انتظام کرنا ہے۔

افراد ہی جی کے اس جنجال سے آزاد نہیں، ہماری اجتماعیت... جماعتیں، گروہ اور ادارے... بھی بے مقصدی کے مزے لوٹ رہے ہیں اور کیوں نہ ہو جب من حیث القوم ہم کھلنڈرانہ بے نیازی کا رویہ اپنا چکے تو دُور کی بات سوچنے کی زحمت کیوں کی جائے۔ ہمارے رہنماؤں، دانشوروں، سیاسی لیڈروں اور صحافیوں میں سے جو اٹھتا ہے، نظریہ کی گردان اس کی نوکِ زبان اور موئے قلم پر ہوتی ہے اور نظریۂ پاکستان تو ہمارا تکیۂ کلام ہے۔ ملکِ خداداد کا ایک نظریاتی ریاست ہونا بھی گویا ایک امرِ مسلّمہ ہے لیکن نظریہ ہے کس چڑیا کا نام، ہم بہو بیٹیاں یہ کیا جانیں۔ عملاً ہمارا کسی نظریہ سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ ہم سے زیادہ غیر نظریاتی لوگوں کے ہجوم بھی دنیا میں ضرور موجود ہیں، بے غل و غش موج اُڑاتے ہیں لیکن وہ کسی نظریہ کا ڈھول بھی تو نہیں پیٹتے۔ آج چاروں طرف نظریں گھما کر دیکھئے، کیا کہیں نظریۂ پاکستان کی شرح بھی کی جاتی ہے، کسی مجلس میں اس بات پر بھی غور ہوتا ہے کہ اسلام کے جن اعلیٰ و ارفع نظریات سے وابستگی کا دم ہم بھرتے ہیں، وہ کیا ہیں اور ان کے کچھ تقاضے بھی ہیں کہ نہیں۔

دستورِ زمانہ تو یہی ہے کہ نظریات کو زبانی جمع خرچ کے لئے چھوڑ کر مطلب کی بات کی جائے اور

ہماری بزعمِ خویش نظریاتی جماعتوں نے بھی اپنے کارکنوں کی نظریاتی تعلیم و تربیت کو سیاسی مہمات کی بھینٹ چڑھا دیا لیکن کسی بھی انقلابی تحریک کے لئے اس کا نظریہ ہی اس کا سرمایہ اور اصل پونجی ہے جو دوسرے جھمیلوں میں پڑ کر اگر گم کر دی جائے تو تحریک انقلابی نہیں رہتی 'روحِ انقلاب پر ایک الزام بن جاتی ہے اور آخر کار کسی عصبیتِ جاہلیہ کا شکار ہو کر ایک نئے فرقہ کے انڈے بچے چھوڑ مرتی ہے ۔ دوسروں سے ہمیں کیا غرض 'عالمِ اسلام میں اٹھنے والی اکثر تحریکیں اسی انجام سے دوچار ہوئیں اور ہم عصر اسلامی تحریکوں کے مقدر میں بھی یہی لکھا معلوم ہوتا ہے۔ تاہم یہ عمارت گر بلا آسمان سے نازل نہیں ہوا کرتی 'جب نظریات کا شعور مدہم پڑنے لگے تو دبے پاؤں آ کر کارکنوں بلکہ قیادت کو بھی دبوچ لیتی ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد کی تنظیمِ اسلامی اپنی مخصوص ہیئتِ تنظیمی اور انقلابی دعوت کے باعث بہت سے مہربانوں کے دلوں میں کھٹکتی تو بہت ہے لیکن خود ڈاکٹر صاحب اور ان کے رفقا اپنی جماعت کی عددی قوت کے بارے میں کسی زعم کی ابتلا میں نہیں پڑے اور اس پر اللہ تعالٰے کا شکر بھی بجالاتے ہیں۔ کیا یہ بات عجیب سی 'نئی نئی سی نہیں لگتی کہ تنظیم اسلامی اپنے امیر کی دعوت کو کسی بھی درجے میں پذیرائی دینے والوں کی اپنی جماعت میں "جوق در جوق" شمولیت کی خواہاں نہیں۔ انہیں سرپرست 'رکن' ہمدرد 'متفق اور کارکن کے خانوں میں بانٹ کر زیادہ سے زیادہ رعائتیں دیتے ہوئے ساتھ رکھنے کی بجائے وہ اپنے وابستگان بلکہ ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ پر بیعتِ سمع و طاعت تک کر لینے والوں کو بھی تعلیم و تربیت کی چھلنی سے گزارتی ہے۔ دراصل لوگوں کے ہجوم کو گھیر گھار کر کوئی سیاسی فائدہ اٹھانا مقصود ہی نہیں 'پروگرام تو احیائے اسلام اور غلبۂ دین کے لئے ایک انقلابی جماعت کی داغ بیل ڈالنے کا ہے جس کے نقوش نسلِ انسانی کے عظیم ترین اور منفرد و مثالی انقلاب کے قائد 'محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی تاریخ کے اوراق پر ثبت کر گئے ہیں۔ اللہ کے رسولؐ نے دورِ مکّی کے دس برس میں ایک سو سے کم کم انقلابی تیار کئے لیکن نظریئے سے وابستگی اور فکر کی پختگی میں ایک سے بڑھ کر ایک۔ یہی گنے چنے افراد اسلامی انقلاب کی وہ مضبوط بنیاد بنے جس پر اگلے تیرہ برسوں میں غلبہ و اظہارِ دینِ حق کی رفیع الشان اور عدیم المثال عمارت کھڑی ہو گئی۔ قدسیوں کی اس جماعت کو حضورؐ کی عملی و نظریاتی تربیت کا فیض ہی تو میسر تھا۔

الحمد للہ کہ اسی کی توفیق اور تائید کا ایک مظہر انہی دنوں سامنے آیا۔ تنظیمِ اسلامی نے قرآن اکیڈمی 'ماڈل ٹاؤن لاہور میں ایک سات روزہ نظریاتی تعلیم و تربیت کے تجدیدی نصاب ______ (Refresher Course) کی کامیاب تکمیل کی ۔ اس میں دور و نزدیک سے لگ بھگ دو سو ایسے رفقائے تنظیم شریک تھے جو نظم کی پابندی کا ابتدائی امتحان پاس کر چکے ہیں اور تنظیم کی ریڑھ کی ہڈی (Hard Core) بنیں گے۔ انہی لوگوں میں سے جماعت کو چلانے کے لئے نظامت و قیادت کی صفیں (Cadres) تیار ہوں گی۔ ظاہر ہے کہ اس تربیت گاہ میں شرکت کے اہل سب رفقا ان مقررہ دنوں میں علائقِ دنیوی سے اپنے آپ کو کاٹ کر آنے کے قابل نہ ہو سکے تاہم یہ چکی تو اب چلتی رہے گی۔ جو اس بار نہیں آ سکے 'وہ اگلی دفعہ آئیں گے اور نصاب کی تکمیل کر کے جانے والوں کو بھی تو بار بار سبق دُہرانے اور پکانے کے لئے لوٹ کر آنا ہو گا۔ سات دنوں کے لئے معمولاتِ زندگی کو ترک کر کے '

گھر بار کی ذمہ داریوں اور سہولتوں سے دست کش ہو کر اور اونچی ملازمتوں یا کاروبار کی بساط کو تہہ کر کے "نظریاتی کاروبار" کے لئے نکل کھڑے ہونا آسان تو نہیں کہ وقت ہی آج کل سب سے بڑی سرمایہ کاری ہے۔ پھر جس بُلاوے پر لبیک کہتے ہوئے آنے والے آئے ہیں' ان کے لئے یہاں کشش بھی کون سی تھی؟۔ نہ سرکار دربار تک رسائی کی کوئی امید' نہ کسی دنیاوی منفعت کا لالچ' نہ اقتدار پر جھپٹا مارنے کے کسی منصوبے میں شرکت کا موقع' نہ شان و شکوہ کا مظاہرہ' نہ سیاسی یا سماجی چودھراہٹ کا امکان اور نہ

میں آٹھ نو دن کھپانے والوں کی تفصیل دیکھئے۔ پشاور اور گردونواح سے ۱۴' باجوڑ جیسے دور افتادہ مقام سے ۳' آزاد کشمیر سے ۳' راولپنڈی اور اسلام آباد کے قرب و جوار سے ۱۱' چکوال سے ایک' فیصل آباد اور سرگودھا کے اضلاع سے ۱۹' جھنگ سے ایک' وسطی پنجاب کے اضلاع گجرات' گوجرانوالہ' سیالکوٹ سے ۱۶' ملتان' شجاع آباد' وہاڑی' بورے والا سے ۱۳' صادق آباد سے ایک' سکھر سے ایک' دادو سے ایک' کراچی سے ۲۸' کوئٹہ سے ۹' بمبئی سے ۱' ابوظبی سے ایک' لاہور اور گردونواح سے ۵۱ اور قرآن کالج و

یہ نظریاتی تجدیدی نصاب تنظیمِ اسلامی کے اُن رفقاء کے لیے تھا جو نظم کی پابندی کا ابتدائی امتحان پاس کر چکے ہیں!

کوئی واہ وا۔ پھر پروگرام میں بھی "دلچسپی" کا کوئی سامان نہیں۔ مسجد کے ہال میں کلاس روم کا ماحول' دماغ کو چاٹ دینے والی اور اعصاب کو تھکا دینے والی تدریس' نیندیں اڑا دینے والی دعوتِ غور و فکر' طویل نشستیں اور آرام کے وقفے میں بھی اضافی مطالعے کے "ہوم ورک" کے ساتھ ساتھ "ہم سبق" دوستوں سے زیرِ بحث موضوع پر تبادلۂ خیال۔ یہ کوئی ہلکی پھلکی برائے نام تربیت گاہ نہیں' صحیح معنوں میں ٹیڑھی کھیر تھی۔

تربیت گاہ کے شرکا میں واجبی تعلیم رکھنے والوں سے لے کر برطانوی اور امریکی جامعات سے پوسٹ گریجویٹ اور پی ایچ ڈی تک کی ڈگریوں والے شامل تھے۔ تنظیم اسلامی کی انقلابی دعوت کسی دھوم دھڑکے اور شور شرابے کے بغیر خاموشی سے جس طرح اثر و نفوذ کر رہی ہے' اس کا اندازہ لگانا ہو تو ایک نظر اس نظریاتی تجدیدی نصاب کے لئے سفر و حضر

اکیڈمی سے ۱۴ ساتھیوں نے سات شب و روز یوں گھل مل کر لیکن سمٹ سمٹا کے گزارے کہ بُود و باش کے لئے بستر بچھانے کی جگہ کے علاوہ محض آمد و رفت کے راستوں کی گنجائش تھی۔ قرآن کالج اور اکیڈمی کے ۱۴ طلبہ میں نوجوانوں کے ساتھ وہ متعدد "بوڑھے طوطے" بھی شمار میں آ گئے ہیں جنہوں نے اعلیٰ ترین فنی تعلیم کے حامل اور سرکاری یا نجی اداروں میں ارفع مناصب پر فائز ہونے کے باوجود سال دو سال کے لئے "ترکِ دنیا" کر کے اکیڈمی میں ڈیرہ ڈالا اور قرآن و حدیث' عربی زبان اور فلسفہ و حکمتِ دینی سے رشتہ جوڑا ہے کہ دین کی دعوت دینے اور قرآن کی طرف بلانے میں زبان نہ لڑکھڑائے بلکہ دل کے جذبہ و خلوص کی رفیق ہو۔ فرائضِ دینی کے شعور کی جو دولت انہیں حاصل ہوئی ہے' اسے اپنے حلقہ اثر میں لٹانے کا قرینہ بھی انہیں آ جائے۔ جس انقلاب کا عزم وہ لے کر اٹھے ہیں' اس کی اساس' ماہیت اور نہج

ذہنوں میں راسخ ہو جائے کہ اس منزل کو سر کرنے کے لئے شیر کا جگر ہی نہیں چیتے کا تجسّس بھی چاہئے۔

سیاست کا ایک مفہوم تو وہ ہے جو نئے زمانے میں رواج پا گیا' ایک وہ بھی تھا جس مفہوم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع کے مطابق بنی اسرائیل کی سیاست انبیا کرام فرمایا کرتے تھے۔ ان معنوں میں اب سیاست بھی متروک ہو گئی اور سیاسی جماعت کے تنظیمی ڈھانچے کی وہ بنیاد یعنی بیعت' بھی منہدم ہو چکی ہے یا کم از کم ذہنوں سے بالکل اوجھل ضرور ہو گئی جو مسنون و ماثور ہے اور جس پر ماضیٔ قریب تک عالمِ اسلام میں جماعت سازی ہوتی رہی بلکہ برصغیر ہندو پاک میں بھی پچھلی صدی میں تحریکِ شہیدینؒ اسی اساس پر کھڑی ہوئی اور ستّر اسّی سال قبل ہی البہلال والبلاغ والے مولانا ابو الکلام آزاد نے "حزب اللہ" بنائی تو اس میں بھی شمولیت کلورواڑہ ان سے بیعت سمع و طاعت ہی تھا۔ ڈاکٹر اسرار احمد کو اللہ تعالےٰ نے اس سنّت کو زندہ کرنے کی توفیق دی اور ان کی تنظیمِ اسلامی میں داخلہ تنظیم کے امیر یعنی خود ڈاکٹر صاحب موصوف سے محض بیعتِ سمع وطاعت فی المعروف کے ذریعے ہوتا ہے۔ یہ تو ایک الگ داستان ہے کہ اس پر انہیں کیا کچھ نہیں سننا پڑا تاہم موضوع کے اعتبار سے یہ بتانا دلچسپی کا باعث ہو گا کہ بیعت کر کے تنظیم میں شامل ہونے والوں کو آنکھیں اور کان بند کر لینے اور دماغ کی کھڑکیاں مقفل رکھنے کی ہدایت نہیں کی جاتی بلکہ اصرار کیا جاتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا فکر قبول کریں تو علیٰ وجہِ البصیرت کریں کہ اس کے بغیر قوائے عمل کو تحریک نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر صاحب کے فکر اور تنظیم اسلامی کے نظامِ بیعت پر اعتراضات کرنے والوں نے جس اہتمام سے ان کے اعوان و انصار کے دل و دماغ میں ذرائع ابلاغ کے سہارے اور فرد آفرد آ بھی شبہات کے جراثیم داخل کئے وہ باخبر حلقوں سے پوشیدہ نہیں' خود امیرِ تنظیم نے اپنے تصورِ فرائضِ دینی اور اسلامی انقلابی جماعت کے لئے مسنون بیعت کو بنیاد بنانے کے اپنے طریقِ کار کو تنقید و تنقیص کا ہدف بنانے کے لئے علمائے کرام اور معروف رجالِ دین کو اپنے عام اجتماعات میں خطاب کی دعوت دی اور چند سو افراد پر مشتمل اپنی جمع پونجی ان کے سامنے رکھ دی کہ یہ لوگ اگر کسی گمراہی و ضلالت میں مبتلا ہو گئے ہیں تو اُلٹے پیروں انہیں واپس پھیر لے جائیں۔

اب جن ساتھیوں کا دل اس اجنبی سے نظامِ جماعت پر ٹھکا، گیا اور دماغ نے اپنے امیر کے فکر کو بقائمی ہوش و حواس قبول کر لیا ہے' انہیں تواتر سے فکری غذا پہنچانے کی ضرورت تھی۔ یہ کام ہوتا بھی آیا ہے اور رفقائے تنظیم کی نظریاتی تربیت پر ہی اب تک زیادہ زور رہا لیکن نظریاتی تجدید کا حالیہ ہفت روزہ نصاب اپنی نوع کے اعتبار سے منفرد تھا جس کے اکلوتے معلّم و مُربّی خود ڈاکٹر صاحب تھے۔ کتابوں کے مطالعے' ان کی تشریح اور تختۂ سیاہ کے ذریعے اہم نکات کی مزید توضیح کرتے ہوئے انہوں نے مختصر وقفوں کے ساتھ اوسطاً روزانہ آٹھ گھنٹوں پر محیط لیکچر دیئے۔ نصاب کی غرض و غایت ساتھیوں کی فکری اساس کو مستحکم کرنا تھی چنانچہ موضوعات کے انتخاب میں جامعیت کو ملحوظ رکھا گیا۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور کرنے کے اصل کام کے ساتھ فکرِ مغرب کی اساس کا تجزیہ کیا گیا۔ دعوتِ رجوع الی القرآن کی تاریخ کا تذکرہ اور علم و حکمت کے ان چار سرچشموں کی نشان دہی ہوئی جن سے امیرِ تنظیم کا فکرِ قرآنی سیراب ہوا ہے۔ ذہن نشین کرایا گیا کہ قرنِ اول میں اسلام قرآن اور جہاد سے عبارت تھا۔ امتِ مسلمہ کے عروج و زوال کی داستان سنائی گئی اور

مستقبل کے لئے مجوزہ لائحۂ عمل کی تفصیل سامنے آئی۔ اپنے فکر میں قدیم و جدید کا حسین امتزاج رکھنے والے حکیم الامت و شاعرِ مشرق' علامہ اقبال کے ہاں حالاتِ حاضرہ کا جو تجزیہ ملتا ہے' اس سے روشناسی کرائی گئی۔ برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی آمد' اس کی توسیع و اشاعت اور اس عمل کے دوران پیدا ہونے والے رجحانات اور روا رکھی گئی فکری و عملی کوتاہیاں گفتگو کا موضوع بنیں۔ اسلام اور پاکستان کے باہمی تعلق کو اس کے سیاسی' تاریخی' علمی و ثقافتی پس منظر میں واضح کیا گیا اور دلائل سے قائل کیا گیا کہ اسلام ہی ملکِ خداداد کے بقا و استحکام کی واحد ضمانت ہے۔ فرائضِ دینی کے اس جامع تصور کی شرح ہوئی جو تنظیمِ اسلامی کی دعوت کا بنیادی عنصر ہے تو مختلف اسلامی تحریکوں اور دینی اداروں کے تصورات سے اس کا تقابل کر کے بھی دکھایا گیا۔ اسلامی انقلاب کے اصل مفہوم سے تعارف کرایا گیا' قرآن و سنت سے ماخوذ مترادف اصطلاحات پیش کی گئیں اور عہدِ حاضر میں انقلاب کے آخری مرحلے کی منہج انقلابِ نبوی سے مطابقت پیدا کرنے کے موزوں اسلوب کا بیان ہوا۔

یہ موضوعات بظاہر بڑے ہی وسیع اور نہایت ادق محسوس ہوتے ہیں لیکن درست انداز میں صُغریٰ کُبریٰ جوڑ کر انہیں منطقی ربط اور فکری تسلسل کی لڑی میں پرو لیا جائے اور عقدہ کشائی کرنے والی شخصیت وہی ایک ہو جس نے ان سب کو فہمِ قرآنی اور سیرتِ مطہرہ کے نزولِ قرآن سے مربوط مطالعہ کے "کھل جا سم سم" سے کھولا ہو تو بات دل و دماغ میں اُترتی چلی جاتی ہے اور کوئی الجھاؤ باقی نہیں رہتا۔ نظریاتی تربیت میں اہم ترین یاد دہانی اس قرار دادِ تاسیس کو لفظ بہ لفظ پڑھنا تھی جو تنظیم کے قائم ہونے سے پہلے مرتب کی گئی۔ اب تو ایسی دستاویزات کو چھپا کر رکھنے کا زمانہ آ گیا ہے تاکہ قافلے والوں کو کانوں کان خبر نہ ہو کہ جس ہدف کو منزل بنا کر سفر کا آغاز کیا گیا تھا' وہ کب طاقِ نسیان کی زینت بن گیا لیکن یہاں اس کا پہاڑا پڑھا جاتا ہے تاکہ کسی بھی وقت نشانِ منزل نظروں سے اوجھل ہوتا محسوس ہو تو ہر شخص ٹھٹھک کر کھڑا ہو جائے۔ نصاب کا آخری حصہ جماعتِ اسلامی میں رونما ہونے والا (لیکن مولانا مودودی کی بھاری بھر کم شخصیت کے ڈھکن تلے دبا دیا جانے والا) وہ اضطراب' اس کے ساتھ روا رکھی جانے والی دھینگا مشتی کے واقعات اور ان کے پس منظر پر مشتمل تھا جس کا سب سے بڑا سبب ایک اسلامی انقلابی تحریک میں جماعت سازی کے جدید طور طریقوں کی پیوند کاری بنا۔ اللہ رے جدّت پسندی کہ مشقت کے چرخے سے کاتے ہوئے سُوت کو پھر رُواں رُواں کر ناپڑا!۔ تاریخ کا حصہ بن جانے والی اس کہانی کے اندوہناک واقعات کی روشنی میں یہ اطمینان حاصل کیا گیا کہ تنظیمِ اسلامی کے تنظیمی ڈھانچے کو انشاء اللہ' مصلحت کوشی کی یہ دیمک نہ لگے گی کیونکہ یہاں ہنس کی چال چل کے کوّا اپنی چال بھول نہیں گیا۔ اس کا لائحۂ عمل سیرتِ طیبہ کے مضبوط کھونٹے سے بندھا ہوا ہے اور اسے کسی ایسی دینی تحریک کے حال کو پہنچنے سے بھی اللہ تعالےٰ ضرور بچائیں گے جو سالہا سال سے ایک ہی دائرے میں حرکت کر رہی ہو اور سخت کدو کاوش' بھاگ دوڑ کے بعد بھی بار بار اسی مقام سے گزرنے اور یہ گنگنانے پر مجبور ہو کہ "یہ تو وہی جگہ ہے' گزرے تھے ہم جہاں سے"۔

یہ نظریاتی تربیت گاہ اس جمعرات (۲۸/ دسمبر ۱۹۸۹ء) کو رات گئے اختتام کو پہنچی جس کے پیر و جواں شرکاء تنظیمِ اسلامی کے مقاصد اور لائحۂ عمل کے شعور و آگہی کو ذہنوں میں تازہ کرنے کے بعد اپنے امیر کی

یہ نصیحت پلّے باندھ کر اپنے گھروں' اپنی آبادیوں یعنی اپنے میدانِ کار کی طرف مراجعت کا قصد کر رہے تھے کہ ساتھیو! جس سبق کی آپ نے تجدید کی ہے' اسے تنہائیوں کی فراغت میں دُہراتے رہنا ہو گا ۔ کہیں یہ پہاڑ جیسا مقصد غفلت کے ایک تل کی اوٹ میں اوجھل نہ ہو جائے اور یہاں سُنی' پڑھی اور سمجھی باتوں کو حافظے میں دلِ زندہ کی طرح دھڑکتے رکھنے کا بہترین عملی طریقہ' سب سے کارگر نسخہ یہ ہے کہ آپ خود داعی بن کر اٹھ کھڑے ہوں۔ بادِ مخالف کی ہوا خیزی خود ہی آپ کے سبق کو پکا دے گی اور اس پر آپ کا انشراحِ صدر از خود بڑھتا چلا جائے گا۔

اس سے پہلی مجلس میں ڈاکٹر اسرار احمد کی کہی ہوئی ایک بات ان سطور کے راقم کے کانوں میں گونج رہی ہے۔ "ہم اپنی تعداد کی قلت پر ہراساں نہیں اور کئی برسوں کی محنت کا حاصل ان چند سو افراد کے میسر آجانے پر اپنے اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ یہ دعویٰ بھی نہیں کہ انقلاب برپا کر کے دکھا ہی دیں گے' یہ معجزہ تو انسانی تاریخ میں صرف ایک بار اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل و جامع ذات سے ظہور پذیر ہوا تھا اور حکمت اس میں یہ تھی کہ آپؐ پر نبوت و رسالت کا دروازہ بند ہو رہا تھا۔ انؐ کے اتباع میں عزمِ انقلاب کرنے والے ہم ادنیٰ خادم تو اس نہج پر قائم رہ کر اپنی بنیاد ہی مضبوط کر لیں تو بہت بڑی سعادت ہے۔ جادۂ انقلاب پر گامزن رہنا ہی شرط ہے' ہم نہیں تو ہماری اگلی نسل اور وہ بھی نہیں تو اس سے اگلی نسل منزل پا کر رہے گی ۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ ہے' سچا وعدہ..." ۔○○

ماخوذ از ہفت روزہ 'ندا' لاہور

بقیہ : 'حرفِ اوّل'

اسرار احمد نے قرآن حکیم کی سورۃ تغابن کی ایک آیت کے حوالے سے کہا کہ ناکامی اور کامیابی کا اصل فیصلہ میدانِ حشر میں ہوگا۔ ہمارا کام تو اللہ کے دین کی خدمت اور اصلاح اور انقلاب کی جدوجہد میں اپنی توانائیاں صرف کرنا ہے۔ اگر کامیابی کا معیار لاکھوں اور کروڑوں روپے خرچ کر کے بڑے بڑے جلسے منعقد کرنا ہے تو بہت سے لوگ بلاشبہ کامیاب ہیں ۔ علامہ طاہر القادری کے تحریک نفاذِ فقہ جعفریہ کے ساتھ اشتراکِ عمل کے معاملے پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اسلامی قانون کے نفاذ کی راہ میں اہل سنت اور اہل تشیع کے فقہی اختلافات ایک بڑی رکاوٹ ہیں۔ اگر علامہ صاحب اہل تشیع کے ساتھ فقہی اور قانونی امور پر اتفاق رائے حاصل کر سکیں تو یقیناً یہ ایک بڑی دینی خدمت ہوگی اور میں اس پر انہیں مبارکباد پیش کروں گا۔"

HOUSE OF QUALITY BEARINGS

KHALID TRADERS

IMPORTER, INDENTOR, STOCKIST, SUPPLIER,
OF ALL KINDS OF BALL, ROLLER & TAPER BEARINGS

WE HAVE :
- BEARINGS FOR ALL INDUSTRIES & MARINE ENGINES.
- AUTOMOTIVE BEARINGS FOR CARS & TRUCKS.
- BEARINGS UNIT FOR ALL INDUSTRIAL USES.
- MINIATURE & MICRO BEARINGS FOR ELECTRICAL INSTRUMENTS.

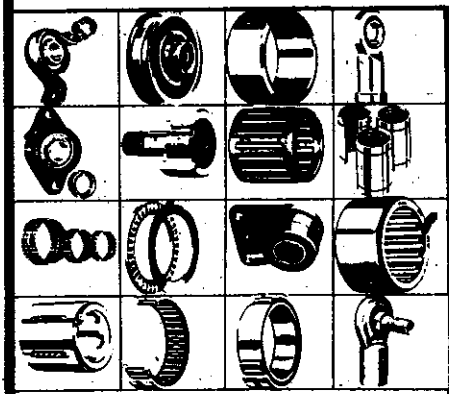

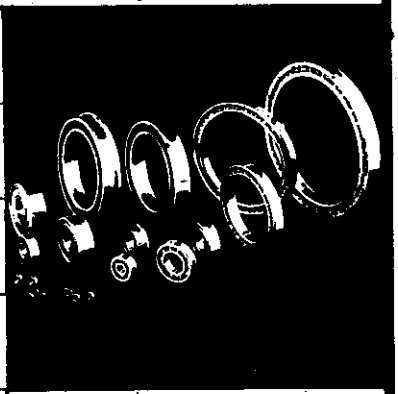

PRODUCTS

DISTRIBUTOR

ROD KBC EZO

EZO HIGH PRECISION

MINIATURE BEARINGS
EXTRA THIN TYPE BEARINGS
FLANGED BEARINGS
BORE DIA .1 mm TO 75 mm

STOCKIST

Koyo NACHI NSK SKF NTN

CONTACT : TEL. 732952 - 735883 - 730595
G.P.O BOX NO.1178.OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI - PAKISTAN
TELEX: 24824 TARIQPK. CABLE: DIMAND BALL.

نام بھی اچھا — کام بھی اچھا
صُوفی سوپ ہے سب سے اچھا

صُوفی سوپ

اُجلی اور کم خرچ دُھلائی کے لیے بہترین صابن

صُوفی سوپ اینڈ کیمیکل انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
تار: صُوفی سوپ ٹیلکس:
۳۹۔ فلیمنگ روڈ۔ لاہور۔ ٹیلی فون نمبر: ۲۲۵۴۴۷-۵۴۵۲۳

Jawad
PRODUCTS

We are manufacturing and exporting ready made garments (of all kinds including shirts, trousers, blouses, jackets, uniforms, hospital clothing; kitchen aprons), bedlinen, cotton bags, textile piece goods etc.

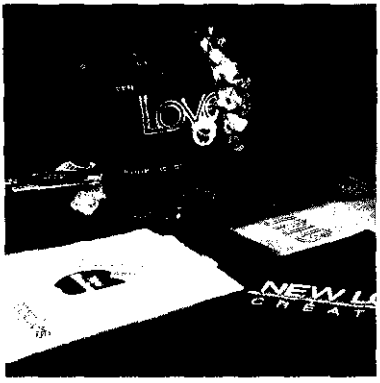

For further details write to :

M/s. Associated Industries (Garments) Pakistan (Private) Ltd.,
IV C/3-A (Commercial Area),
Nazimabad,
Karachi - 18
Tele : 610220/616018/625594

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Regd.L.No 7360
VOL. 39 NO. 2
FEBRUARY 1990

معدہ کی گیس ۔ تیزابیت ۔ سینہ کی جلن اور متلی کے لیے

لیکوڈ
گیسٹوفل

معدہ کی تکلیف میں آرام کے لیے
گیسٹوفل ہمیشہ گھر میں رکھیے

قرشی

تحقیق کی روایت ۔ معیار کی ضمانت

QD – 6